سورہ
الاحقاف

۴۶۔ اَلْاَحْقَاف

نام آیت ۲۱ میں قوم عاد کے مسکن، الاحقاف کا ذکر ہوا ہے، جو یمن کے قریب ایک ریگستانی علاقہ ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الاحقاف' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔ بعض مفسرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ سورہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف سے واپسی پر نازل ہوئی تھی۔ مگر طائف میں آپ کی دعوت کا جس طرح مذاق اڑایا گیا تھا اور جو شدید تکلیفیں آپ کو پہنچائی گئیں ان کی طرف اس سورہ میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ رہا نخلہ کے مقام پر جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ تو اس سلسلہ میں آیت ۲۹ کے ذیل میں وضاحت کر دی جائے گی انشاء اللہ۔

مرکزی مضمون اس بات سے خبردار کرنا ہے کہ توحید، آخرت اور رسالت کا انکار درحقیقت اس مقصدِ حق کا انکار ہے، جس کے لئے اس کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۲ میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے دعوے کو پیش کرتے ہوئے شرک کی نامعقولیت واضح کی گئی ہے۔ اور رسالت کے سلسلہ میں شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

آیت ۱۳ تا ۱۶ میں اہل ایمان کے لئے تسلی اور خوشخبری ہے۔

آیت ۱۷ تا ۲۰ میں کافروں کو انجامِ بد سے خبردار کر دیا گیا ہے۔

آیت ۲۱ تا ۲۸ میں قومِ عاد کے انجام سے عبرت دلائی گئی ہے۔

آیت ۲۹ تا ۳۲ میں جنوں کے قرآن سننے اور اس سے متاثر ہو کر ایمان لانے کا ذکر ہوا ہے۔

آیت ۳۳ اور ۳۴ میں زندگی بعد موت کے سلسلہ میں شبہ کا ازالہ بھی ہے اور جہنم کے عذاب سے خبردار بھی کر دیا گیا ہے۔

آیت ۳۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور تسلی ہے۔

سُوْرَةُ الْأَحْقَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾

۴۶۔سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف

آیات: ۳۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ حا۔میم ا ۔

۲ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، جو غالب اور حکمت والا ہے۔۲ ۔

۳ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو (مقصد) حق کے ساتھ ۳ ، اور ایک معین مدت کے لئے ہی پیدا کیا ہے ۴ ۔ مگر یہ کافر اس چیز سے ۵ رخ پھیرے ہوئے ہیں جس سے انہیں خبردار کیا گیا ہے۔

۴ کہو تم نے ان پر غور کیا، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ بتاؤ زمین کی کون سی چیز انہوں نے پیدا کی ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے؟ اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی علمی ثبوت (جو اس کی تائید میں ہو) میرے پاس لے آؤ اگر تم سچے ہو۔۶ ۔

۵ اور ان سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو سکتے ہیں؟ جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں، جو قیامت تک ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔۷ ۔

۶ اور جب تمام لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔۸ ۔

۷ ان لوگوں کو جب ہماری روشن آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کافر حق کے بارے میں، جو ان کے پاس آگیا ہے کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے۔۹ ۔

۸ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ کہو اگر میں نے گھڑ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی نہ بچا سکو گے۔ اور تم جو باتیں بناتے ہو ان کو وہ خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان وہ گواہی کیلئے کافی ہے۔ وہ بڑا معاف کرنیوالا رحم فرمانے والا ہے۔۱۰ ۔

۱؎ ان حروف کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مؤمن نوٹ ۱؎ ۔

اس سورۂ میں آیت ۲ میں اللہ کے حکیم ہونے کا ذکر ہے۔اور یہ حروف اس کی اسی صفت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۲؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ جاثیہ نوٹ ۲؎ ۔

۳؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۱۲۴؎ اور سورۂ یونس نوٹ ۱۵؎ ۔

۴؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۱۴؎ ۔

۵؎ یعنی قیامت اور جزا وسزا سے۔

۶؎ یعنی عبادت کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو۔مشرکین بتائیں کہ وہ اللہ کے سوا جن کو معبود ٹھہراتے ہیں انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟اس کائنات کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟اگر نہیں ہے تو وہ معبود کس طرح ہوئے؟اور اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے سوا اور ہستیوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے اور وہ خدا کے شریک ہیں تو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی۔اس کے جاننے کا ذریعہ اللہ کی کتاب ہوسکتی ہے یا انبیائی ہدایت، جو اس طرح منقول ہو کہ علم ویقین کا درجہ حاصل ہو جائے۔اب اگر اس کا ثبوت نہ قرآن سے پہلے کی کسی آسمانی کتاب میں مل رہا ہے اور نہ انبیائی ہدایت میں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے منقول ہے۔تو اتنے بڑے دعوے کے لئے کیا بنیاد رہ جاتی ہے؟

واضح رہے کہ قرآن کا چیلنج ان کتابوں کے بارے میں ہے جو واقعی آسمانی کتابیں ہیں اور جن کا رسولوں پر نازل ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ تورات، زبور، اور انجیل میں اگرچہ بہت کچھ ردوبدل ہوا ہے، لیکن ان میں کلام الٰہی کے اجزاء موجود ہیں۔ان کتابوں میں یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا ہے کہ ایک خدا کے سوا کسی اور نے کوئی چیز پیدا کی ہے یا اس کائنات کے کئی خدا ہیں یا یہ کہ انسان کو ایک خدا کے سوا کسی اور کی بھی پرستش کرنی چاہئے۔رہیں وہ کتابیں جن کو مختلف مذہبی گروہوں نے اپنے اپنے مذہب کی مقدس کتاب قرار دے رکھا ہے تو ان کے آسمانی کتاب ہونے کا نہ تاریخی ثبوت ہے اور نہ ان کتابوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کلام الٰہی ہیں اور نہ ان کے مضامین ان کے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔اس لئے ان مذہبی کتابوں میں اگر مختلف دیوی دیوتاؤں کا تصور پایا جاتا ہے تو وہ کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ وہ ان کتابوں کو مرتب کرنے والوں کے باطل عقائد ہیں جن کو انہوں نے اپنے مذہب کی ''مقدس کتاب'' کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔یہ اللہ پر افتراء اور بہتان ہے نہ کہ اس کی فرمودہ بات۔

اسی طرح عقیدہ کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب وہی روایتیں دلیل اور حجت کی حیثیت رکھتی ہیں جو علم ویقین کے درجہ کی ہوں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم کا بیت اللہ کو تعمیر کرنا اور حج کا سلسلہ جاری کرنا۔تاکہ توحید کے نقوش ہر زمانہ میں نمایاں ہوتے رہیں۔اسی لئے قرآن نے اثارۃٍ کے ساتھ مِنْ علم کی قید لگائی ہے۔یعنی وہ باتیں جن کا کسی رسول سے منقول ہونا علم ویقین کی حد تک درست ہو۔

۷؎ آیت میں مَنْ (جو Whom) کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی میں عقل رکھنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد فرشتے، جن، انبیاء اور بزرگ شخصیتیں ہی ہوسکتی ہیں۔قرآن صراحت کرتا ہے کہ ان کو حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریادرسی کے لئے پکارنا بہت بڑی گمراہی اور بالکل بے معنی بات ہے۔ان کو پکارنے کے لئے نہ کوئی وجہ جواز ہے اور نہ وہ کسی کی پکار سنتے ہیں۔

قرآن کی اس صراحت کے باوجود مسلمانوں کی بڑی تعداد اس گمراہی میں مبتلا ہے۔وہ اولیاء اور پیروں کو مدد کیلئے پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قبروں میں دفن ہونے کے باوجود وہ ہماری پکار سن لیتے ہیں۔حالانکہ وہ ان کی پکار سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔یہ عقیدہ ہی فاسد ہے کہ جو قبروں میں مدفون ہیں وہ پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں۔جب وہ اپنی زندگی میں دور سے پکارنے والے کی آواز نہیں سن سکتے تھے۔تو مرنے کے بعد ان کو یہ قدرت کہاں

سے حاصل ہوئی کہ عالم برزخ میں رہتے ہوئے دنیا والوں سے ربط پیدا کریں؟ اور اپنے ہر عقیدتمند کی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتا ہو پکار سنیں؟ یہ سراسر لغو بات ہے۔ مگر ایسی لغو باتوں کو ''جاہل عالموں'' نے اسلامی عقیدہ کی حیثیت دی ہے اور ان آیتوں کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ وہ بت پرستوں کے بارے میں ہیں۔ اس غلط تاویل کے نتیجہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شرک میں مبتلا ہے۔ اگر وہ صاف ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے تو ان کو ہدایت نصیب ہوتی۔

۸۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ جن کی عقیدت میں غلو کر کے (بڑھکر) تم انہیں اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لئے پکار رہے ہو، وہ قیامت کے دن تم سے خوش ہوں گے۔ نہیں، بلکہ وہ تمہارے دشمن ہوں گے کہ تم نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیوں کیا جو خدا ہی کے ساتھ کرنے کا تھا۔ اور تمہاری اس پکار کا جو عبادت کی حیثیت رکھتی ہے صاف انکار کریں گے کہ ہمیں اس کی کوئی خبر نہ تھی۔

۹۔ یعنی کلام الٰہی کی تاثیر کو دیکھ کر اسے جادو قرار دیتے ہیں۔

۱۰۔ یعنی تمہیں موقع دے رہا ہے کہ توبہ اور اصلاح کر کے اس کی مغفرت اور رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ اس کو جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے، یہاں تک کہ جب وہ اپنے شباب کو پہنچا، اور پہنچا چالیس سال کی عمر کو، تو اس نے دعا کی اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمایا۔ اور وہ نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہے۔ اور میری اولاد کو بھی میرے لئے نیک بنا دے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں مسلمین (تیرے فرماں برداروں) میں سے ہوں۔ (القرآن)

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

۹ کہو میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں ۱۱؎ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ۱۲؎! میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اور میں تو بس کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ ۱۳؎

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

۱۰ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوا، اور تم نے اس کا انکار کیا جب کہ بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اس جیسی کتاب پر گواہی دی ہے۔ چنانچہ وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ ۱۴؎ (تو یہ کتنا بڑا جرم ہوگا؟) اللہ ایسے ظالم لوگوں کو راہ پر نہیں لگاتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱

۱۱ کافر ایمان لانیوالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (قرآن) خیر ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کو نہ پالیتے ۱۵؎۔ اور چونکہ انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی اسلئے کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ ۱۶؎

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۠ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲

۱۲ حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے ۱۷؎۔ اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے ۱۸؎ عربی زبان میں، تاکہ ظلم کرنے والوں ۱۹؎ (غلط کار لوگوں) کو خبردار کر دے۔ اور یہ بشارت ہے نیکوکاروں کے لئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۳

۱۳ جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر جمے رہے، ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۲۰؎

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

۱۴ یہ جنت والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہوگی ان اعمال کی جو وہ کرتے رہے۔ ۲۱؎

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵

۱۵ ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ ۲۲؎ اس کی ماں نے تکلیف کیساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف کیساتھ اس کو جنا ۲۳؎۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے ۲۴؎، یہاں تک کہ جب وہ اپنے شباب کو پہنچا، اور پہنچا چالیس سال کی عمر کو ۲۵؎، تو اس نے دعا کی اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمایا۔ اور وہ نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہے۔ اور میری اولاد کو بھی میرے لئے نیک بنا دے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں مسلمین (تیرے فرماں برداروں) میں سے ہوں۔ ۲۶؎

۱۱؎ یعنی ایسا تو نہیں ہے کہ انسانی تاریخ رسولوں سے خالی رہی ہو اور اب میرے دعوے رسالت کو سن کر لوگوں کو تعجب ہو کہ ایک نرالی بات ہے، جو ہمارے سامنے آ رہی ہے۔ جب تاریخی واقعات اس پر شاہد ہیں کہ اس سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں، تو پھر میرا رسول ہونا کوئی نرالی بات نہیں ہوئی۔ اس لئے تمہیں غور کرنا چاہئے کہ آیا میرا یہ دعویٰ محض دعویٰ ہے یا ایک ایسی حقیقت جو نا قابل انکار دلائل سے ثابت ہے۔

۱۲؎ یعنی مجھے نہیں معلوم کہ رسول ہونے کی حیثیت سے مجھے آئندہ کن مراحل سے گذارا جائے گا اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تمہارے بارے میں کب کیا فیصلہ کیا جانے والا ہے۔ آیا تمہیں توبہ کی توفیق بخشی جائے گی یا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح تم سے پہلے کی قوموں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ ان باتوں کا تفصیلی علم مجھے نہیں ہے۔ البتہ وحی الٰہی کے ذریعہ جو علم مجھے حاصل ہوتا ہے اس پر میں یقین کرتا ہوں۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کے حالات کا علم اسی حد تک ہوتا تھا جس حد تک وحی الٰہی آپ کو اس کا علم بخشتی تھی ورنہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''میں کہنے والے کے اس قول کو اچھا نہیں سمجھتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے تھے۔ اس کے بجائے یہ کہنا بہتر ہوگا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمایا تھا۔ اور آپ کو اس کا علم بخشا تھا۔'' (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۰)

۱۳؎ یعنی اس کے بعد اس پر ایمان لانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ میری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ایمان لانے کے لئے مجبور کروں۔

۱۴؎ بنی اسرائیل کے ایک گواہ سے مراد ان میں کا ایک شخص ہے جو تورات کا علم رکھتا تھا اور ان آیات کے نزول کے وقت ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد مکہ میں اہل کتاب میں سے اور لوگ بھی ایمان لائے جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا۔ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا۔

(بنی اسرائیل: ۱۰۷، ۱۰۸)

''اور جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب۔ ہمارے رب کا وعدہ اسی لئے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔''

تو جس طرح سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں کوئی خاص شخصیت مراد نہیں ہے۔ اسی طرح آیت زیر تفسیر میں بھی گواہ سے کوئی خاص شخصیت مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص مراد ہے جو تورات کا علم رکھتے ہوئے قرآن پر ایمان لایا تھا۔ اور علامہ ابن کثیر نے آیت کی یہی توجیہ کی ہے۔ جن مفسرین نے مدینہ کے یہودی عالم عبداللہ بن سلام کی شخصیت مراد لی ہے، انہوں نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے۔ حالانکہ پوری سورہ مکی ہے۔ یہ تکلف انہیں اس لئے کرنا پڑا کہ عبداللہ بن سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ایمان لائے تھے۔ اس لئے اس آیت کے نزول کے وقت وہ اس کا مصداق نہیں ہو سکتے تھے۔ صاحب تدبر قرآن نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس گواہ سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی کی تھی۔ مگر آیت کے الفاظ کہ وہ اس جیسی چیز پر ایمان لے آیا ان پر منطبق نہیں ہوتے۔

مدعا اس آیت کا منکرین قرآن کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جب بنی اسرائیل کا ایک شخص جو کتاب الٰہی کا علم رکھتا ہے، یہ گواہی دیتے ہوئے کہ قرآن کی تعلیم تورات کی تعلیم سے بالکل مطابقت رکھتی ہے، اس پر ایمان لایا ہے تو تمہارا اس کو ایک نرالی تعلیم سمجھ کر رد کر دینا کتنی بڑی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔

۱۵؎ یہ کافروں کے سرداروں اور دنیوی حیثیت رکھنے والوں کا قول ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ شان وشوکت ہمیں اسی لئے حاصل ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے۔ لہٰذا اگر قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو اتنے بڑے خیر سے وہ سب سے پہلے ہمیں نوازتا۔ مگر جب اس کی توفیق ہمیں نہیں ملی اور ایسے لوگوں نے اسے قبول کیا جو غریب ہیں اور اثر ورسوخ نہیں رکھتے تو یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ خیر کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کی یہی غلط ذہنیت تھی جس کی وجہ سے وہ ہدایت سے محروم رہے۔

۱۶؎ یعنی قرآن قیامت اور جزا وسزا وغیرہ کی جو باتیں کرتا ہے وہ بالکل جھوٹ ہیں اور اس جھوٹ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ کیوں کہ گزری ہوئی قوموں کو بھی ایسی باتیں کہہ کر ڈرایا جاتا رہا ہے۔

۱۷؎ یعنی جس چیز کو وہ جھوٹ قرار دے رہے ہیں وہ جھوٹ کس طرح ہوسکتا ہے؟ جب کہ وہ چیز لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتی رہی ہے۔ چنانچہ تورات سے لوگ ہدایت حاصل کرتے رہے ہیں اور اس بنا پر اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن رہی ہے۔

۱۸؎ یعنی قرآن بنیادی طور پر وہی تعلیم پیش کر رہا ہے جو تورات کی تعلیم تھی۔ یہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو نرالی تعلیم پیش کرتی ہو۔

۱۹؎ ظلم کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک جیسی معصیت میں مبتلا ہو کر خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔

۲۰؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ حٰم السجدہ نوٹ ۴۴؎ اور ۴۵؎۔

۲۱؎ یعنی جنت مفت ملنے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ اعمال کی جزا میں دی جائے گی۔ لہٰذا جو شخص بھی جنت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اپنی عملی زندگی سے جنت کا مستحق ہونا ثابت کر دکھائے۔

۲۲؎ بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا حق ماں باپ کا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اچھے برتاؤ میں ان کا ادب واحترام، ان کی خدمت، ان کی مدد، ان کو خوش وخرم رکھنے کی کوشش، ان کے لئے ایثار اور ان کے حق میں دعائے خیر سب شامل ہیں۔ یہ ان سے فطری تعلق کا تقاضا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ مگر مغربی معاشرہ جو اخلاق سے عاری ہو گیا ہے اس حق کو نہیں مانتا۔ اولاد ماں باپ سے بالکل بے پرواہ رہتی ہے اور ان کے تعلق سے اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتی۔ اور جو لوگ خدا کا حق نہ پہچانتے ہوں وہ بندوں کا حق کیا پہچانیں گے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ لقمان نوٹ ۱۷؎، ۲۰؎ اور ۲۱؎ نیز سورہ بنی اسرائیل نوٹ ۲۸؎۔

۲۳؎ اسی بناء پر باپ کی بہ نسبت ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ آیت کے اس اشارہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر بیان فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔'' (بخاری کتاب الادب)

۲۴؎ اس آیت میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت اکٹھا طور پر تیس مہینے بیان ہوئی ہے، جب کہ سورہ لقمان میں دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بیان ہوئی ہے:

وفِصٰلُهٗ فِي عَامَيْنِ ''اور دوسال اس کے دودھ چھڑانے میں لگے۔'' (لقمان: ۱۴)

نیز سورۂ بقرہ میں مدت رضاعت کامل دوسال بیان ہوئی ہے (سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳) اس لئے فقہاء نے سورۂ احقاف کی اس آیت سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یعنی اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ تولد ہوتا ہے تو وہ جائز اولاد سمجھی جائے گی۔

۲۵۔ جوانی کی عمر ہوش سنبھالنے اور چالیس سال کی عمر عقل کی پختگی کی عمر ہے۔

۲۶۔ اس آیت میں اس شخص کا کردار بیان ہوا ہے جو اللہ سے ڈرنے اور اس کے حضور جوابدہی کا احساس رکھنے والا ہو۔ وہ ہوش سنبھالتے ہی اللہ کے احسان کو یاد کرتا ہو۔ اور خاص طور سے اس احسان کو کہ اس نے اس کے ماں باپ کو اولاد عطا فرمائی اور اس کی پرورش کے قابل انہیں بنایا۔ جب وہ چالیس سال کا ہوتا ہے تو یہ احساس اس میں اور شدت سے ابھرتا ہے اور وہ شکر کی اور نیک بننے کی توفیق طلب کرتا ہے نیز یہ دعا کرتا ہے کہ میری اولاد کو بھی نیک بنادے۔

واضح ہوا کہ نیک آدمی اپنی اولاد کو بھی نیک دیکھنا ہی پسند کرتا ہے۔ ایسا شخص لازماً اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دے گا اور اس کی صحیح تربیت کرے گا۔

آیت میں ''وہ نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہے'' کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ نیکی وہی معتبر ہے جو خالصۃً اللہ کی رضا حاصل کرنیکی غرض سے کی گئی ہو۔ جو ریاء اور نمائش وغیرہ سے پاک ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

۱۶ ایسے لوگوں کے بہترین اعمال کو ہم قبول کریں گے ۲۷؎ اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔ وہ جنت والوں میں شامل ہوں گے۔ سچا وعدہ جو اُن سے کیا جاتا رہا ہے۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي ۖ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

۱۷ اور جس شخص نے اپنے والدین سے کہا تم پر اُف ہے! کیا تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں ۲۸؎۔ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوئے اس سے کہتے ہیں کہ افسوس تجھ پر! ایمان لا۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ مگر وہ کہتا ہے کہ یہ گزرے ہوئے لوگوں کے فسانے ہیں۔ ۲۹؎

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾

۱۸ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ (کے عذاب) کا فرمان لاگو ہوا ان گروہوں میں جو جنوں اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزرے ۳۰؎۔ یقیناً یہ تباہ ہونے والے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

۱۹ اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجے ہوں گے ۳۱؎۔ اور یہ (یہ اس لئے ہوگا کہ) وہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور ان پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰ اور جس دن کافر آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنے حصہ کی اچھی چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے فائدہ اٹھایا ۳۲؎۔ تو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس بات کی پاداش میں کہ تم زمین میں بغیر کسی حق کے تکبر کرتے رہے اور اس لئے کہ تم نافرمانی کرتے رہے۔ ۳۳؎

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

۲۱ یاد کرو عاد کے بھائی کو ۳۴؎، جب اس نے احقاف ۳۵؎ میں اپنی قوم کو خبردار کیا۔۔۔ اور خبردار کرنے والے اس کے آگے بھی آئے تھے اور اس کے پیچھے بھی آئے ۳۶؎ ۔۔۔۔ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تم پر ایک ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ۳۷؎

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾

۲۲ انہوں نے کہا کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو ۳۸؎۔ اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈرا رہے ہو۔

۲۷۔ یعنی ایسے لوگوں کے اچھے اعمال نہ صرف اچھے ہیں، بلکہ چونکہ وہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی صحیح اسپرٹ میں ادا کئے گئے ہیں اس لئے اللہ کی نظر میں وہ بہترین اعمال ہیں اس لئے وہ قبولیت کا درجہ حاصل کریں گے۔

۲۸۔ یعنی جو قومیں گزر چکی ہیں وہ دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آئیں۔

۲۹۔ یہ اس شخص کا کردار ہے جو آخرت کا منکر ہے۔ اور جب اس کے مؤمن والدین اس کو ایمان لانے کے لئے کہتے ہیں تو وہ دوسری زندگی کو افسانہ قرار دینے لگتا ہے۔ والدین کی نصیحت کو قبول کرنے کے بجائے ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے لگتا ہے۔

ان آیات کا کھلا اشارہ اس وقت کے حالات کی طرف ہے جب یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس وقت دونوں ہی کردار جن کا ان آیتوں میں ذکر ہوا ہے ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔

۳۰۔ یعنی اس کردار کے لوگ عذاب کے مستحق ہیں اور انسانوں اور جنوں کے اس گروہ میں شامل ہیں، جو اس سے پہلے عذاب کا مستحق ہو چکا ہے۔

۳۱۔ یعنی جو شخص جتنا نیک ہوگا اسی مناسبت سے جنت میں اس کا درجہ ہوگا اور جو شخص جتنا بُرا ہوگا اسی مناسبت سے جہنم میں اس کی جگہ متعین ہوگی۔ اگر آدمی آخرت میں اعلیٰ درجہ چاہتا ہے تو اعلیٰ درجہ کے اعمال کرے۔

۳۲۔ یعنی دنیا میں جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی تھیں ان میں تم ایسے مگن رہے کہ نہ تمہیں خدا یاد آیا اور نہ آخرت۔ دنیا کی نعمتیں تو اس لئے ہیں کہ آدمی اپنے رب کا شکر گزار بنے اور ان کو اس طرح استعمال کرے کہ آخرت میں اس کا نعم البدل ملے۔ نہ اس لئے کہ وہ بس دنیا بٹورے اور مادہ پرست بن کر رہ جائے۔

۳۳۔ تکبر سے دل کے گھمنڈ کی طرف اور فسق (نافرمان) سے برے اعمال کی طرف اشارہ ہے۔

۳۴۔ مراد ہود علیہ السلام ہیں جو قوم عاد کے ایک فرد تھے اور ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کی سرگزشت سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکی۔

۳۵۔ احقاف کے معنی ریت کے ٹیلوں کے ہیں۔ اور مراد اس سے وہ علاقہ ہے جو حضر موت کے قریب یمن کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں قوم عاد آباد تھی جس کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ یہ علاقہ اس زمانہ کا سب سے بڑا متمدن علاقہ تھا۔ لیکن اب ایک لق ودق ریگستان ہے جہاں ریت کے ایسے تودے ہیں کہ سفر کرنا مشکل ہے۔ جغرافیہ میں اس علاقہ کا نام الربع الخالی ہے۔ (دیکھئے نقشہ برصفحہ تفسیر سورۂ فجر ۹۷۸)

۳۶۔ یعنی حضرت ہود کوئی نئے رسول نہیں تھے۔ ان سے پہلے بھی رسول آئے تھے اور ان کے بعد بھی رسول آتے رہے۔

۳۷۔ مراد نزولِ عذاب کا دن ہے جس کی تباہی نہایت ہولناک ہوگی۔

۳۸۔ وہ بت پرست قوم تھی اور اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ کو واحد معبود مان لینے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں تھی۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ اس نے کہا اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ میں تو وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۴﴾

۲۴ پھر جب انہوں نے اس کو ۳۹؎ بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا، تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔ یہ ہوا (کا طوفان) ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ ۴۰؎

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ یہ ہر چیز کو تباہ کر دے گی اپنے رب کے حکم سے۔ چنانچہ ان کا حال یہ ہوا کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا ۴۱؎۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ ۴۲؎

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ ہم نے ان کو وہ اقتدار بخشا تھا جو تم کو نہیں بخشا ۴۳؎۔ ہم نے ان کو کان، آنکھیں اور دل دئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان ان کے کچھ کام آئے، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، اس بنا پر کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ۴۴؎۔ اور ان کو گھیر لیا اس چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۴۵؎

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰی وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ ہم تمہارے گرد و پیش کی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں ۴۶؎۔ ہم نے اپنی آیتیں گوناگوں طریقہ پر پیش کی تھیں تاکہ وہ رجوع کریں۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ تو کیوں نہ ان کی مدد کی ان ہستیوں نے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر تقرب کے لئے معبود بنا کر رکھا تھا ۴۷؎۔ بلکہ وہ سب ان سے کھوئے گئے۔ یہ ان کا جھوٹ اور ان کی گھڑی ہوئی باتیں تھیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ اور جب ہم نے جنوں ۴۸؎ کے ایک گروہ کو تمہاری طرف پھیر دیا تاکہ وہ قرآن سنیں ۴۹؎۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے (آپس میں) کہا خاموش ہو جاؤ (اور سنو) جب اس کی تلاوت پوری ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے بن کر لوٹے۔

۳۹؎ یعنی عذاب کو۔

۴۰؎ وہ بادل کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ بارش ہوگی اور انہیں سکون ملے گا مگر حضرت ہودؑ نے ۔۔۔ جیسا کہ قرینہ سے واضح ہے ۔۔۔۔ ان کو متنبہ کیا کہ یہ تمہارے لئے باعثِ رحمت نہیں بلکہ باعثِ زحمت ہے اور یہ عذاب ہے، جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔

۴۱؎ یعنی طوفانی ہوا نے ان کو اس طرح ہلاک کیا کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور ان کا شاندار تمدن بھی خاک میں مل گیا۔

۴۲؎ یعنی مجرم قوموں کو اللہ تعالیٰ جس طرح دنیا میں سزا دیتا ہے اس کا ایک نمونہ یہ عذاب ہے جو قومِ ہود پر نازل ہوا۔

۴۳؎ مخاطب قریش ہیں۔

۴۴؎ واضح ہوا کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ کی صلاحیتیں (Faculties) اسی صورت میں کارآمد ثابت ہوتی ہیں جب اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور اس کی آیتوں (Revelations) کو پڑھنے اور سننے کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔ پھر جو حقیقت روشن ہو کر سامنے آئے اس کو قبول کیا جائے۔

۴۵؎ یعنی اللہ کے عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

۴۶؎ یعنی عاد، ثمود، مدین وغیرہ کی بستیاں جو عرب علاقہ ہی میں تھیں۔

۴۷؎ یعنی ان کے یہ معبود جن کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، اس وقت ان کی مدد کو کیوں نہ آئے جب ان پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑا؟ جب یہ معبود اپنے پرستاروں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے، تو یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو فریادرس (غوث)، مشکل کشا اور مددگار ہو اور اس کے سوا کوئی نہیں جو عبادت کا مستحق ہو۔ کسی کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو خدا ہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے سراسر گمراہی اور اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔

۴۸؎ جن (Ginie) اللہ ہی کی پیدا کردہ مخلوق ہے، جو ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن وحی الٰہی نے ہمیں اس سے باخبر کیا ہے۔ ان کی تخلیق کے بارے میں دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۲۵؎۔

۴۹؎ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ایک گروہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کر دیا، تاکہ وہ آپ سے قرآن سنیں۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو انہیں یہ پہچاننے میں کوئی دقّت پیش نہیں آئی کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ چنانچہ بات فوراً ان کے دل میں اتر گئی اور وہ ایمان لائے۔ اور نہ صرف ایمان لائے بلکہ اس کے مبلغ بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں خبردار کیا۔ یہاں اس واقعہ کو پیش کر کے واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا ایک واضح حقیقت ہے۔ اس کو پہچاننے میں نہ سلیم الفطرت انسانوں کو کوئی دقّت پیش آتی ہے اور نہ سلیم الفطرت جنوں کو، اور یہ اس کی معجزانہ شان ہے۔

سورۂ جن میں بھی جنوں کے ایک گروہ کے قرآن کو سننے اور اس پر ایمان لانے کا ذکر ہوا ہے۔ مگر سورۂ احقاف کی ان آیتوں میں ان کے مبلغ بن کر اپنی قوم کو خبردار کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ سورۂ جن کا واقعہ مکہ کے ابتدائی دور کا معلوم ہوتا ہے اور سورۂ احقاف میں بیان کردہ واقعہ اس کے بعد کا یعنی مکہ کے درمیانی دور کا۔ عام طور سے مفسرین نے ابن ہشام کی روایت پر اعتماد کیا ہے، جس کے مطابق یہ واقعہ نبی ﷺ کی طائف کے سفر سے واپسی میں نخلہ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ مگر بخاری اور مسلم کی حدیثیں نخلہ کے واقعہ کو سورۂ جن کے نزول سے متعلق قرار دیتی ہیں اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ (دیکھئے بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ جن اور مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر بالقرآن فی الصبح)

اس لئے سورہ احقاف میں بیان کردہ واقعہ کو نخلہ کا واقعہ سمجھنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ کسی اور مقام پر پیش آیا ہوگا۔

واضح رہے کہ قرآن نے کہیں بھی یہ صراحت نہیں کی کہ نبی ﷺ نے جنوں کو دیکھ لیا تھا اور آپکی ان سے بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ بلکہ یہ صراحت کرتا ہے کہ آپ کو ان کے قرآن سننے کی خبر وحی کے ذریعہ دی گئی۔ اور بخاری و مسلم کی حدیثوں میں بھی جو سورۂ جن کے نزول سے متعلق ہیں یہی بات بیان ہوئی ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۱۲۱؎۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

۳۰ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے ۵۰؎ ۔تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو پہلے آ چکی ہے ۵۱؎ ۔ یہ حق اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ۵۲؎

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

۳۱ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی ۵۳؎ کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لے آؤ ۵۴؎ ۔اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا ۵۵؎ اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔ ۵۶؎

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

۳۲ اور جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو اس کے بس میں نہیں ہے کہ زمین میں اللہ کے قابو سے نکل جائے ۵۷؎، اور نہ اللہ کے مقابل اس کا کوئی مددگار ہوگا۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۵۸؎

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

۳۳ کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور جن کے پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں، وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ کیوں نہیں وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ جس دن ۵۹؎ کافر جہنم کی آگ پر پیش کئے جائیں گے۔ (ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ حق نہیں ہے ۶۰؎؟ وہ کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم (یہ یقیناً حق ہے)۔ فرمائے گا تو چکھو عذاب کا مزہ اپنے کفر کی پاداش میں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

۳۵ پس (اے نبی!) صبر کرو جس طرح عزم و ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کرو۔ ۶۱؎ جس دن یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے، تو وہ محسوس کریں گے کہ گویا (وہ دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے ۶۲؎۔ یہ پیغام ہے۔ تو نافرمان لوگوں کے سوا اور کون تباہ ہوگا؟ ۶۳؎

۵۰۔ حضرت موسیٰ کا ذکر جنوں نے اس لئے کیا کہ ان کو ایک جامع کتاب تورات عطا ہوئی تھی، زبور اور انجیل کا نزول اس اصل کتاب کی تجدید کے لئے ہوا تھا نیز اس لئے بھی کہ حضرت سلیمان حضرت موسیٰ کی امت میں سے تھے اور جنوں کو حضرت سلیمان کے تابع کر دیا گیا تھا۔

۵۱۔ یعنی وہ تصدیق کرتی ہے کہ تورات اللہ کی کتاب تھی نیز اس کی تعلیم بھی وہی ہے جو تورات کی تھی۔

۵۲۔ یعنی یہ صحیح اور سچا عقیدہ پیش کرتی ہے اور وہ راہ دکھاتی ہے جو اللہ تک پہنچنے والی ہے۔

۵۳۔ مراد اللہ کا رسول ہے۔ اس کی دعوت کو قبول کرنے میں قرآن پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔

۵۴۔ یعنی رسول پر ایمان لے آؤ۔

۵۵۔ جس طرح انسان گناہ کے کام کرتا ہے اسی طرح جن بھی گناہ کے کام کرتے ہیں اور جس طرح ایمان لانے سے انسان کے وہ گناہ جو وہ کر چکا ہے معاف ہوتے ہیں اسی طرح کسی جن کے ایمان لانے سے اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

واضح ہوا کہ جن بھی اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے نیز ایک اللہ ہی کی عبادت کرنے اور نیک عمل کرنے کے مکلف (ذمہ دار بنائے گئے) ہیں اور ان کے لئے یہ دنیا دار الامتحان ہے، جس طرح انسانوں کے لئے۔ البتہ زمین کا خلیفہ (حاکم) انسان کو بنایا گیا ہے، نہ کہ جنات کو۔ اس لئے دونوں کے عمل کا دائرہ الگ الگ ہے اس لئے ممکن ہے کہ ان کے لئے کسی تفصیلی شریعت کی ضرورت نہ ہو اور دین کی کلیات پر عمل کرنا ان کے لئے کافی ہو۔ مثلاً عقیدہ، عبادت، اخلاق، حق اور نیکی کی تلقین اور برائیوں سے روکنا وغیرہ۔ چونکہ جنات کا معاملہ غیب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ان کے بارے میں ہمیں اسی علم پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے ذریعہ حاصل ہو اور مزید کاوش نہیں کرنی چاہئے۔

۵۶۔ اللہ کے دردناک عذاب سے نجات بجائے خود بہت بڑی کامیابی ہے۔ رہی جنت تو جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں جنوں اور انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ (سورہ رحمٰن: ۴۶)

''اور جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔''

صالح جنوں کو بھی انعام کے طور پر جنت اسی طرح ملے گی جس طرح صالح انسانوں کو ملے گی۔ اور وہاں دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق عیش و عشرت کا سامان ہوگا۔

۵۷۔ جنوں کا اصل مسکن زمین ہی ہے اس لئے فرمایا: ''اس کے بس میں نہیں کہ زمین پر اللہ کے قابو سے نکل جائے۔''

۵۸۔ یہاں جنوں کا بیان ختم ہوا۔

۵۹۔ یعنی قیامت کے دن۔

۶۰۔ یعنی عذابِ جہنم کا تم انکار کرتے رہے، اب کیا یہ تمہارے سامنے حقیقت کی صورت میں موجود نہیں ہے؟

۶۱۔ یہ نبی ﷺ کیلئے نیز آپ کے واسطہ سے دعوت دین پیش کرنے والوں کو تسلی بھی ہے اور تلقین بھی کہ جب تم نے دین کی دعوت کو صحیح طور سے پیش کر دیا اور اس کے بعد بھی منکرین مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اذیت دہ باتیں کرتے ہیں، تو تم اس پر صبر کرو اور ان پر عذاب کیلئے جلدی نہ کرو۔

۶۲۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۷۴۔ اور سورۂ نازعات نوٹ ۳۲۔

۶۳۔ یعنی یہ اللہ کا پیغام ہے جو اس کے رسول نے تم کو پہنچا دیا ہے۔ اب جو لوگ نافرمان بن کر رہیں گے وہی تباہ ہونے والے ہیں۔ اس کو قبول کرنے والے یقیناً تباہی سے بچیں گے۔

سورہ
محمد

۴۷۔ مُحَمَّدُ

نام آیت ۲ میں پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام آیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''محمد'' ہے۔

زمانۂ نزول مدینہ میں ہجرت کے پہلے سال نازل ہوئی۔

مرکزی مضمون اعلانِ جنگ ہے ان کافروں کے خلاف جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ان سے مقابلہ کیلئے اہل ایمان کو آمادہ کرنا اور اس سلسلہ میں ان کو ضروری ہدایات دینا۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ کفار اور اہل ایمان کا طرز عمل بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ الگ الگ معاملہ کرے گا۔ کافروں کے عمل کو ناکام بنادے گا اور اہل ایمان کا حال درست کردے گا۔

آیت ۴ تا ۱۵ میں اہل ایمان کو جنگ کے تعلق سے ہدایات دی گئی ہیں۔ اور جان کی بازی لگانے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے نیز اپنی آخرت کے بہترین انجام کی خوشخبری دی گئی ہے۔

آیت ۱۶ تا ۳۲ میں منافقین (غیر مخلص مسلمانوں) کا حال بیان ہوا ہے، جن پر جہاد کا حکم شاق گزر رہا تھا اور جو اہل ایمان کے مقابلہ میں کافروں سے ہمدردی رکھتے تھے اور ساز باز کرتے تھے۔

آیت ۳۳ تا ۳۸ میں عام مسلمانوں کو جہاد کی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۣ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦

سُورَةُ مُحَمَّد

آیات:۳۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا، ان کے اعمال اس نے ضائع کر دئے۔ ۱؎

۲ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اس (ہدایت) پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کی گئی ہے ۲؎ ۔۔۔۔ اور وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے ۔۔۔۔ اللہ نے ان کی برائیاں ان سے دور کر دیں اور ان کا حال درست کر دیا۔ ۳؎

۳ یہ اسلئے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی ۴؎ اور جو ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی۔ اس طرح اللہ لوگوں کیلئے ان کا حال بیان فرماتا ہے۔ ۵؎

۴ لہٰذا جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اُڑا دو، یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو ان کو مضبوط باندھ لو ۶؎۔ اس کے بعد یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ کا معاملہ کرنا ہے ۷؎۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے ۸؎۔ یہ ہے تمہاری ذمہ داری۔ اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان کو سزا دیتا، لیکن (اس نے یہ ہدایت اس لئے دی تا کہ) تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائے ۹؎۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کے اعمال وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ ۱۰؎

۵ وہ ان کو راہ یاب کرے گا اور ان کی حالت سنوارے گا۔ ۱۱؎

۶ اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی پہچان ان کو کرا دی گئی ہے۔ ۱۲؎

۷ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے ۱۳؎، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ ۱۴؎

۱ ۔ یہ جہاد کی سورہ ہے اس لئے سورۂ انفال کی طرح بغیر کسی تمہید کے شروع ہوئی ہے۔ گویا یہ کافروں کے حق میں غضب بن کر نازل ہوئی ہے۔
اللہ کے راستہ سے روکنے سے مراد لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا، دعوت و تبلیغ کے کام میں رُکاوٹیں کھڑی کرنا اور مسلمانوں کو اس بات کے لئے مجبور کرنا ہے کہ وہ اسلام کے احکام پر عمل نہ کریں۔ کفار مکہ نے اسلام دشمنی ہی میں مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور ان کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ان کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ قرآن نے بتلایا کہ کافروں کے سارے اعمال اکارت جانے والے ہیں یعنی نہ تو ان کی یہ سازشیں کامیاب ہونے والی ہیں اور نہ ان کا کوئی عمل اللہ کے ہاں قبولیت حاصل کرنے والا ہے۔ چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ان کی وہ ساری تدبیریں الٹی پڑیں جو وہ اللہ کے رسول اور اس کے لائے ہوئے حق کے خلاف کر رہے تھے۔
واضح رہے کہ جس بات کا مستقبل میں واقع ہونا قطعی ہوتا ہے اس کو قرآن ماضی کے صیغے میں بیان کرتا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا "ان کے اعمال اس نے ضائع کر دئے۔" یعنی یقیناً وہ ضائع ہونے والے ہیں۔
۲ ۔ یعنی ایمان اور عمل صالح معتبر اسی صورت میں ہے جب اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو ہدایات نازل ہوئی ہیں اس پر بھی ایمان لایا جائے۔ آپ کے مبعوث ہو جانے کے بعد آپ پر ایمان نہ لانا اور اس ہدایت کو قبول نہ کرنا جو قرآن کی شکل میں آپ پر نازل ہوئی ہے کفر ہے۔ اور کفر کے ساتھ نہ ایمان معتبر ہے اور نہ عمل صالح۔
۳ ۔ یعنی اللہ ان مخلص مؤمنوں کے قصور معاف کر دے گا اور ان کی دینی، اخلاقی اور دنیوی حالت درست کر دے گا۔
قرآن کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ قرآن پر ایمان لانے والوں کی زندگیاں سنور گئیں اور ان کے حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔
۴ ۔ قرآن حق ہے، یعنی اللہ کی سچی ہدایت ہے اس لئے اس کو چھوڑ کر کسی بھی چیز کی پیروی کرنا باطل کی پیروی کرنا ہے۔
۵ ۔ یعنی ہر گروہ کا حال الگ الگ بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ کافروں اور مؤمنوں میں تمیز کریں اور دونوں کو یکساں خیال نہ کریں۔
۶ ۔ یہ حکم جنگ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ جنگ جیسا کہ اوپر کی آیات سے واضح ہے حق کی پیروی کرنے والوں کی اللہ کی راہ میں جنگ ہے، ان باطل پرستوں کے خلاف جو اللہ کی راہ (اسلام) سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اسکے دین کے خلاف فتنہ برپا کرتے ہیں۔ اس جنگ کا اصطلاحی نام جہاد ہے جو اسلام میں ایک مقدس فریضہ ہے ان شرائط کے ساتھ جو شریعت نے بیان کی ہیں۔
اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ جب کافروں سے جنگ کرنا پڑے اور ان سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کو بے دریغ قتل کر دو، یہاں تک کہ خوب خونریزی ہو جائے۔ یہ خونریزی ان کا زور توڑنے اور ان کی شان و شوکت کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اسلئے اس معاملہ میں نرمی برتنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جب اچھی طرح خونریزی ہو چکے تو پھر انہیں گرفتار کرنا اور قید و بند میں جکڑنا شروع کرو۔
یہ ہدایت جنگ بدر سے پہلے دی جا چکی تھی، لیکن جنگ بدر میں مسلمانوں کے ایک گروہ سے یہ غلطی سرزد ہو گئی کہ اس نے کافروں کو اچھی طرح کچل دینے سے پہلے ہی گرفتاری کا سلسلہ شروع کیا۔ جس پر سخت تنبیہ نازل ہوئی۔ دیکھئے سورۂ انفال آیت ۶۷، ۶۸ اور نوٹ ۱۰۲ ۔
۷ ۔ یعنی بعد میں جنگی قیدیوں کے ساتھ دو میں سے ایک معاملہ کیا جائے۔ یا تو ان کو احسان کے طور پر رہا کر دیا جائے یا فدیہ لے کر ان کی رہائی عمل میں لائی جائے۔ اسلامی حکومت دونوں میں سے جس طریقہ کو مطابق مصلحت پائے اختیار کر سکتی ہے۔ اگر احسان کے طور پر رہا کرنے میں یہ مصلحت نظر آتی ہو کہ وہ اس کا اچھا اثر قبول کریں گے اور اسلام سے قریب ہوں گے تو یہ صورت قابل ترجیح ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق شعبان ۶ھ کے بعد اس قبیلے کے تمام قیدیوں کو مسلمانوں نے آزاد کر دیا تھا (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۰) غزوۂ حنین کے بعد قبیلۂ ہوازن کے چھ ہزار قیدی بلا معاوضہ رہا کر

دئے گئے (کتاب الاموال ابوعبیدہ ص ۱۱۷) یمامہ کا سردار ثُمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آیا تو مسجدِ نبوی میں اسے قید کر دیا گیا تا کہ وہ اسلام سے مانوس ہو۔ وہ فدیہ دینے کے لئے تیار تھا، لیکن آپ نے چند روز بعد اسے بلا معاوضہ رہا کر دیا۔ اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ (بخاری کتاب المغازی) لیکن اگر دشمن نے مسلمانوں کو قیدی بنالیا ہو اور ان کا تبادلہ ان اسیران جنگ کے ساتھ ہوسکتا ہو یا ان اسیران جنگ سے کوئی خاص خدمت لے کر یا معاوضہ لے کر ان کو رہا کرنا مطابق مصلحت ہو، تو یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا لکھنا پڑھنا سکھانے کی خدمت لے کر رہا کر دیا گیا تھا (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۰۶، کتاب الاموال ص ۱۱۶)۔

قرآن کی اس ہدایت سے واضح ہوا کہ اسلام جنگی قیدیوں کو طویل مدت تک قید رکھنا یا انہیں عمر قید کی سزا دینا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بات بھی پسندیدہ نہیں ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے صرف استثنائی صورتوں میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عُقبہ بن ابی مُعیط اور نضر بن حارث کو جو کافروں کے قائد اور پرلے درجہ کے مفسد تھے قتل کر دیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام ۔ ج ۲ ص ۲۸۶) اسی طرح بنی قُریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ کیوں کہ انہوں نے غداری کی تھی اور مدینہ کے قرب وجوار میں رہتے ہوئے وہ سازشیں کر رہے تھے۔

رہا جنگی قیدیوں کو غلام بنانے (استرقاق) کا معاملہ تو قرآن نے اس کا حکم نہیں دیا اور اس آیت میں جو دو صورتیں پیش کی گئی ہیں کہ یا تو احسان کے طور پر رہا کر دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو، تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا عام قاعدہ یہی ہے۔ اور لونڈی غلام بنانے کا جو ثبوت روایتوں سے ملتا ہے وہ ایک استثنائی صورت تھی جس کی گنجائش مخصوص حالات میں رکھی گئی تھی۔ اور جہاں تک عربوں کا تعلق ہے ان کے کسی مرد کو غلام نہیں بنایا گیا تھا چنانچہ ابوعبیدہ لکھتے ہیں:

''یہ جنگی قیدیوں کے احکام ہیں۔ یعنی احسان کے طور پر یا معاوضہ لے کر رہا کرنا یا قتل کرنا۔ اور یہ عربوں کیلئے خاص ہے کیوں کہ ان کے مردوں کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی رہی ہے۔ آپ نے ان کے کسی مرد کو غلام نہیں بنایا۔ اسی طرح حضرت عمر نے بھی ان کے معاملہ میں یہی فیصلہ فرمایا۔'' (کتاب الاموال ص ۱۳۳)

اور اب جب دنیا سے غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے جس کو ختم کرنا اسلام کے اہم ترین مقاصد میں شامل تھا، تو یہ گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ اس مسئلہ پر السید سابق نے فقہ السنۃ میں بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں کوئی نص (صریح حکم) ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جو غلامی کو جائز قرار دیتی ہو۔ البتہ اس میں غلاموں کو آزاد کرنے کی دعوت ضرور دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کسی قیدی کو غلام بنایا ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آپ نے مکہ کے غلاموں، بنی المصطلق کے غلاموں اور حنین کے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے ان غلاموں کو جو آپ کے پاس تھے آزاد کر دیا تھا۔ اسی طرح ان کو بھی آزاد کر دیا تھا جو آپ کے لئے ہدیۃً بھیجے گئے تھے۔ البتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے بعض جنگی قیدیوں کو غلام بنایا تھا جو برابری کا معاملہ کرنے کے قاعدہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے غلامی کی تمام صورتوں کو جائز نہیں رکھا جیسا کہ مذہبی اور رواجی قوانین میں عمل درآمد ہو رہا تھا۔ بلکہ اس کو جنگ کی حد تک محدود کر دیا تھا، جو مسلمانوں کی طرف سے شرعی طریقہ پر اعلان کے ساتھ کافر دشمنوں کے خلاف لڑی گئی ہو۔ اور دوسری تمام صورتوں کو انہوں نے ساقط کر دیا اور ان کو شرعاً حرام قرار دیا، کہ کسی حال میں جائز نہیں۔ (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۶۸۸)

سید قطب نے بھی غلام بنانے کو اس وقت کے خاص حالات ہی پر محمول کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اسلام کا کوئی عام قاعدہ نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

''جب نئی صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ جنگ لڑنے والے سب لوگ قیدیوں کو غلام نہ بنانے پر متفق ہو گئے ہیں تو اسلام اپنے منفرد ایجابی قاعدہ کی طرف عود کر آیا ہے اور وہ ہے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لے کر) لہٰذا غلام بنانا (استرقاق) نہ لازم ہے اور نہ ان قواعد میں سے ہے جو اسلام میں قیدیوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے متعلق ہیں۔'' (فی ظلال القرآن ج ۶ ص ۳۲۸۵)

واضح رہے کہ آیت میں جنگ کی صورت میں کافروں کو قید کرنے اور پھر احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر رہا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ہر قسم کے کافروں کے لئے ہے، خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔ لیکن بعد میں مشرکینِ عرب کے سلسلہ میں جن کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے یہ حکم آیا کہ:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ (التوبہ:۵)

''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔ البتہ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔'' (تشریح کے لئے دیکھئے سورہ توبہ نوٹ ۹)

یہ حکم مشرکین عرب کے لئے خاص تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ سورۂ محمد کی اس آیت کو جس میں عام قاعدہ بیان ہوا ہے منسوخ سمجھا جائے۔ جن مفسرین نے اسے منسوخ کہا ہے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

۸۔ یعنی ان کو گرفتار کرنے کا سلسلہ جاری رکھو جب تک کہ جنگ ختم نہ ہو جائے۔

۹۔ یعنی اللہ چاہتا تو کافروں کو کوئی آفت نازل کر کے تباہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی مصلحت یہ ہوئی کہ اہل ایمان کے ہاتھوں کافروں کی سرکوبی کی جائے۔ تاکہ اہل ایمان اس آزمائش میں پڑ کر اعلیٰ درجات حاصل کر سکیں اور کافروں کو یا تو توبہ کا موقع ملے یا پھر وہ اپنا بُرا حشر دنیا ہی میں دیکھ لیں۔

۱۰۔ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوں گے ان کی محنت رائیگاں جانے والی نہیں۔ وہ کھوئیں گے نہیں بلکہ پائیں گے، ان کے اعمال مقبول ہوں گے اور انہیں ان کا صلہ ملے گا۔

۱۱۔ یعنی جب انہوں نے اللہ کی راہ میں جان دے دی تو وہ مرکھپ نہیں گئے بلکہ زندہ جاوید ہو گئے۔ اللہ ان کو کامیابی کی منزل تک پہنچائے گا اور ان کو عزت و سرفرازی عطا کرے گا۔

۱۲۔ یعنی قرآن نے جنت کا جس طرح تعارف کرایا ہے ان ہی خصوصیات کی جنت میں اللہ تعالیٰ انہیں داخل کرے گا۔ قرآن نے جنت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہ خیال آرائی ہے اور نہ اس میں مبالغہ کا کوئی دخل ہے، بلکہ وہ سراسر حقیقت ہے۔ اس لئے جن لوگوں سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اس کو ایک واقعہ کی صورت میں پائیں گے اور ٹھیک اس طرح پائیں گے، جس طرح دنیا میں انہیں اس کی شناخت کرا دی گئی تھی۔

۱۳۔ اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد کرنا اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانا ہے۔ یہ اللہ کی قدر افزائی ہے کہ وہ اس خدمت کو اس کی مدد کرنے سے تعبیر کرتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے اللہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں اور سب بندے اس کی مدد کے محتاج ہیں۔

۱۴۔ یعنی دین کی نصرت کے لئے جو قدم بھی تم اٹھاؤ گے اللہ کی مدد شامل حال ہوگی۔ وہ تمہارے حوصلے بڑھائے گا اور تمہیں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ⑭

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ⑮

۸ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے ہلاکت ہے اور اس نے (اللہ نے) ان کے اعمال ضائع کر دئے۔ ۱۵

۹ یہ اس لئے کہ انہوں نے اس (ہدایت) کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی ہے، لہٰذا اس نے ان کے اعمال اکارت کر دئے۔ ۱۶

۱۰ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ نے ان کو تباہ کر کے رکھ دیا اور کافروں کے لئے ایسی ہی سزائیں ہیں۔ ۱۷

۱۱ یہ اس لئے کہ اللہ ایمان لانے والوں کا کارساز (کرتا دھرتا) ہے اور کافروں کا کارساز کوئی نہیں۔ ۱۸

۱۲ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا کا) لطف اٹھا رہے ہیں اور اس طرح کھا رہے ہیں جس طرح جانور کھاتے ہیں ۱۹۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۱۳ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو قوت میں تمہاری اس بستی سے بڑھ کر تھیں جس نے تم کو (اے نبی!) نکالا ہے ۲۰۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو کوئی ان کو بچانے والا نہ ہوا۔

۱۴ کیا وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں ۲۱، ان لوگوں کی طرح ہو جائیں گے جن کا بُرا عمل ان کی نظروں میں خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں؟

۱۵ اس جنت کی خصوصیت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی جس میں کوئی تغیر نہ ہو گا ۲۲۔ اور نہریں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا ۲۳۔ اور نہریں ایسی شراب کی جو پینے والوں کیلئے نہایت لذیذ ہو گی ۲۴۔ اور نہریں صاف شفاف شہد کی ۲۵۔ وہاں ان کیلئے ہر قسم کے پھل ہوں گے ۲۶۔ اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ۲۷۔ کیا ایسے لوگ ان لوگوں کی طرح ہوں گے جو ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں اور جن کو ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا؟ ۲۸۔

۱۵۔ یعنی ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوئیں اور ان کا کیا کرایا بے سود رہا۔

۱۶۔ یعنی انہوں نے اگر کچھ اچھے کام کئے تھے تو کفر کی وجہ سے وہ بے وزن ہو کر رہ گئے۔ نیکی کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔

۱۷۔ یعنی ان کافروں کو بھی، اگر وہ کفر سے باز نہیں آئے ایسے ہی کسی عذاب کا سامنا کرنا ہوگا جو ماضی میں کافر قوموں پر آئے تھے۔

۱۸۔ جنگ احد میں جو اس سورہ کے نازل ہونے کے تقریباً دو سال بعد ہوئی، کفار نے جب اپنے بُت عُزّیٰ کی جے لگائی کہ **لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم** (ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

اَللّٰہُ مَولانا ولا مَولیٰ لَکُمْ ''اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۵)

۱۹۔ یعنی صرف معاشی حیوان بن کر رہ گئے ہیں کہ کھائیں پئیں اور مر کھپ جائیں۔ انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ زندگی کا ایک اعلیٰ وارفع مقصد ہے اور کھانا پینا تو محض قوتِ حیات حاصل کرنے کے لئے ہے۔

۲۰۔ یعنی اہل مکہ نے تمہیں وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ یہ مضمون بتا رہا ہے کہ یہ سورہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

۲۱۔ یعنی جنہوں نے اپنا موقف علم وبصیرت کی روشنی میں متعین کیا ہے اور یہ علم وبصیرت کی روشنی انہیں اپنی فطرت سے بھی حاصل ہوئی ہے اور اللہ کی نازل کردہ کتاب سے بھی۔

۲۲۔ دنیا کے پانی میں مٹی ونباتات وغیرہ کی آمیزش سے کدورت بھی پیدا ہوتی ہے اور بو بھی، لیکن جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس میں کبھی کوئی خرابی پیدا ہونے والی نہیں۔

۲۳۔ دنیا میں دودھ جانور کے تھنوں سے نکلتا ہے اور کچھ دیر بعد خراب ہونے لگتا ہے۔ لیکن جنت میں تو دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ بھی ایسے دودھ کی جن میں کبھی کوئی خرابی پیدا ہونے والی نہیں۔ اس کا ذائقہ ہمیشہ اچھا ہی رہے گا۔

۲۴۔ دنیا کی شراب میں سڑنے کی بو بھی ہوتی ہے اور تلخی بھی۔ لیکن جنت کی شراب اتنی عمدہ اور نفیس ہوگی کہ پینے والوں کے لئے لذّت ہی لذّت اور سرور ہی سرور۔ اور اس کی مقدار کبھی کم نہیں ہوگی کیوں کہ اس کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

۲۵۔ دنیا میں شہد مکھیوں سے حاصل کیا جاتا ہے جس میں موم وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے۔ لیکن جنت میں ایسا شہد ملے گا جو ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور بالکل صاف شفاف ہوگا، نیز اس کی مقدار بھی کم نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جس ہستی نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اس کے لئے اس کی نہریں بہا دینا کچھ مشکل نہیں اور نہ یہ بات مشکل ہے کہ ان کو پاک صاف، غیر تغیر پذیر، عمدہ اور نہایت لذیذ بنایا جائے۔ عقل اس کی تائید کرتی ہے، فطرت اس کا مطالبہ کرتی ہے اور دل اس خوشخبری پر باغ باغ ہو جاتا ہے۔

۲۶۔ یعنی جہاں پینے کے لئے عمدہ اور لذیذ چیزیں ملیں گی وہاں کھانے کے لئے بھی ہر قسم کے بہترین پھل ملیں گے۔

۲۷۔ یعنی اللہ کی طرف سے مغفرت اس کا سب سے بڑا فضل ہوگا۔ ظاہر ہے عذاب سے نجات پانا اس کی تمام نعمتوں کے حصول پر مقدم ہے۔

۲۸۔ یعنی متقیوں کو تو کھانے پینے کی بہترین نعمتیں میسر آئیں گی، لیکن کافروں کو کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ جس سے ان کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ دونوں کا انجام بالکل الگ الگ ہے۔ خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے والے اور اس سے بے پرواہ ہو کر دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے والے نہ اپنے کردار اور اوصاف کے اعتبار سے یکساں ہیں اور نہ اپنے انجام کے اعتبار سے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝۱۶

۱۶ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں، لیکن جب تمہارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں علم عطا ہوا ہے پوچھتے ہیں کہ (رسول نے) ابھی ابھی کیا فرمایا؟ ۲۹؎ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے ۳۰؎ اور یہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ۳۱؎

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝۱۷

۱۷ اور جن لوگوں نے ہدایت کی راہ اختیار کی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا ۳۲؎ اور انہیں ان کے حصہ کا تقویٰ عطا فرمایا۔ ۳۳؎

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝۱۸

۱۸ اب کیا یہ لوگ قیامت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آ جائے؟ اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں ۳۴؎۔ جب وہ آ جائے گی تو ان کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا موقع کہاں باقی رہ جائے گا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝۱۹

۱۹ تو جان لو ۳۵؎ کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں۔ اور اپنی خطاؤں کے لئے معافی مانگو ۳۶؎۔ اور مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی۔ اللہ تمہارے چلنے پھرنے کو جانتا ہے اور تمہارے ٹھکانے کو بھی۔ ۳۷؎

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝۲۰

۲۰ ایمان لانے والے کہہ رہے تھے کہ ایک سورہ (جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو) کیوں نہیں نازل کی جاتی؟ مگر جب ایک قطعی حکم والی سورہ نازل کی گئی جس میں قتال (جنگ) کا ذکر ہے تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں روگ ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو ۳۸؎۔ تو افسوس ہے ان پر۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۭ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۚ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝۲۱

۲۱ (ان کے لئے صحیح طرزِ عمل) اطاعت کرنا اور اچھی بات کہنا تھا۔ اور جب قطعی حکم دیا گیا تو اگر وہ اللہ سے صداقت شعاری کا ثبوت دیتے تو ان ہی کے حق میں بہتر ہوتا۔ ۳۹؎

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝۲۲

۲۲ اور اگر تم منہ پھیرتے ہو تو اس کے سوا تم سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرو گے اور رحمی رشتوں کو کاٹ ڈالو گے۔ ۴۰؎

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝۲۳

۲۳ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھی کر دیا۔ ۴۱؎

۲۹ ۔ یہ حال مدینہ کے مسلمانوں کا بیان ہوا ہے۔ جو اگرچہ نبی ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں، لیکن ارشاداتِ رسول سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے بے سوچے سمجھے کسی نہ کسی مصلحت سے اسلام قبول کیا تھا۔ اسلئے نہ وہ اپنے ایمان میں مخلص تھے اور نہ انہیں مسلمانوں سے سچی ہمدردی تھی۔ ان کے دلوں میں کفر تھا اور وہ کافروں سے ساز باز رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔ وہ جب مجلسِ نبوی سے نکلتے تو اصحاب علم سے پوچھتے کہ کیا بات ارشاد ہوئی ہے۔ ان کا یہ سوال بات کو سمجھنے کیلئے نہیں، بلکہ اظہار تعجب کیلئے ہوتا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

آیت میں علم سے مراد قرآن اور ارشاداتِ رسول کا علم ہے اور جس کو یہ علم عطا ہوا اس کو بہت بڑی دولت عطا ہوئی۔

۳۰ ۔ یعنی وہ اللہ کے اس قانون کی گرفت میں آ گئے جو اس نے گمراہی پر اصرار کرنے والوں کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اب ان میں قبول حق کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

۳۱ ۔ اللہ تعالیٰ دل پر اسی صورت میں مہر لگاتا ہے جب آدمی عقل وفہم سے کام لینے اور علم کی روشنی میں چلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا اور اپنے نفس کی باگیں اپنی خواہشات کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔

۳۲ ۔ یعنی جن لوگوں نے خواہشات کے پیچھے نہ چلتے ہوئے اللہ کی ہدایت کو قبول کیا، اللہ ان کی ہر ہر قدم پر رہنمائی کرتا رہا ہے اور ان کی بصیرت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

۳۳ ۔ یعنی ان کو ان کی طلب اور ان کی کوششوں کی مناسبت سے تقویٰ کی توفیق عطا فرمائی۔

۳۴ ۔ قیامت کی جو علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں ان میں سب سے بڑی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نبی کی حیثیت سے بعثت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

قَالَ بِاُصْبَعَيْهِ هٰكَذَا بِالْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۷ بروایۃ البخاری)

''آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں۔

یعنی میرے بعد اب قیامت ہی ہے کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ گویا آپ کے ذریعہ دنیا والوں کو آخری وارننگ دی گئی۔ دوسری بڑی علامت قرآن کا نزول ہے۔ اللہ کی طرف سے انسان کی ہدایت کے لئے ایک مکمل کتاب آ جانے کے بعد جس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، لوگوں پر اللہ کی حجت بدرجۂ اتم قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے تو وہ فیصلہ کی گھڑی ہے جس کا نام قیامت ہے۔

تیسری بڑی علامت انسانی سوسائٹی کا عام بگاڑ ہے، جو روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان تاریخی واقعات سے لوگوں نے کوئی سبق نہیں لیا، جو مفسد قوموں کے بُرے انجام کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ بگاڑ کا یہ طوفان جب اپنی انتہا کو پہنچے گا تو دنیا کا خاتمہ یقینی ہے۔ کیوں کہ انسانی سوسائٹی جب خیر سے خالی ہو جائے گی تو شر رہ جائے گا اور اللہ کا غضب قیامت کی صورت میں اشرار ہی پر بھڑکنے والا ہے۔

چوتھی بڑی علامت زمین کا ظلم و ناانصافی سے بھر جانا ہے۔ مظلوموں کی آہیں فریاد کرتی ہیں کہ اللہ کی عدالت جلد برپا ہو اس لئے عدالت کا دن قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

ان کے علاوہ کتنی علامتیں ہیں جو قیامت کے بالکل قریبی زمانہ میں ظاہر ہوں گی اور جن کی پیشین گوئی قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں کی گئی ہے۔ مثلاً دابۃ الارض کا خروج، یاجوج ماجوج کی یلغار، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا وغیرہ۔

۳۵ ۔ یعنی اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔

۳۶ ۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قصوروں پر استغفار کرنے کی جو ہدایت ہوئی ہے، اس کی تشریح سورۂ مؤمن نوٹ ۷۹ ۔ میں گزر چکی۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ دن میں سومرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔

قَالَ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي وَاِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ ۔ (مسلم کتاب الذکر)

''آپ نے فرمایا میرے دل پر غفلت طاری ہوجاتی ہے اور میں دن میں سومرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔''

۳۷ ۔ یعنی اللہ کی نظر تمہاری حرکات وسکنات پر بھی ہے اور وہ تمہاری منزل کو بھی جانتا ہے لہٰذا اس سے ڈرتے رہو۔

۳۸ ۔ یعنی جہاد کا حکم سن کر منافقوں پر موت کی غشی طاری ہوگئی ۔ اللہ کی راہ میں جان کی بازی وہی شخص لگا سکتا ہے جو اپنے ایمان میں مخلص ہو۔ جس کو جان ودل عزیز ہو وہ کیوں جاں فروشی کی تمنا کرے گا؟

۳۹ ۔ یعنی جب جنگ (جہاد) کا قطعی حکم دیا گیا، تو ان لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ اس کو دل سے قبول کرتے اور اس کے لئے عملی قدم اٹھاتے ۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ ان ہی کے حق میں بہتر ہوتا۔

۴۰ ۔ یعنی تم سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا مطالبہ کیا جارہا ہے جو تمہیں ناگوار ہے ۔ حالانکہ خیر وصلاح کا کام اس اطاعت ہی کے ذریعہ انجام پاسکتا ہے ۔ نافرمانی کی صورت میں آدمی شر کے کام کو خیر سمجھ کر کرنے لگتا ہے، خودغرضی کی بنا پر قرابت داروں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اور انسانی اخوت کے رشتہ کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں فساد برپا ہے ۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اور انسانی اخوت کے رشتہ کو توڑا جارہا ہے ۔ بدامنی اور جنگوں نے انسانوں کا سکون غارت کردیا ہے ۔ غرض حالات قرآن کی ایک ایک بات کو سچا ثابت کردکھا رہے ہیں ۔ لیکن انسان ہوش کے ناخن لینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

۴۱ ۔ جب اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے تو حق بات سننے کے لئے آدمی بہرا ہوجاتا ہے اور حق دیکھنے کے لئے اندھا۔

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ یا دِلوں پر اُن
کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ (القرآن)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

۲۴ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ یا دِلوں پر ان کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۲؎

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

۲۵ جولوگ ہدایت واضح ہوجانے کے بعد پھر گئے، شیطان نے ان کو پٹی پڑھائی، اوران کے لئے امیدوں کا سلسلہ دراز کردیا۔ ۴۳؎

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

۲۶ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کو ناپسند کرنے والوں سے کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے۔ ۴۴؎ اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

۲۷ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کے چہروں اور ان کے پیٹھوں پر مارتے ہوئے ان کی جانیں قبض کریں گے۔ ۴۵؎

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

۲۸ یہ اس لئے کہ انہوں نے اس طریقہ کی پیروی کی جو اللہ کو غصہ دلانے والا تھا اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا۔ لہٰذا اس نے ان کے اعمال ضائع کردئے۔ ۴۶؎

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾

۲۹ کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے ۴۷؎، یہ خیال کررکھا ہے کہ اللہ ان کا کینہ ظاہر نہیں کرے گا؟ ۴۸؎

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾

۳۰ (اے نبی!) اگر ہم چاہتے تو تمہیں ان کو دکھا دیتے اور تم ان کی علامتوں سے انہیں پہچان لیتے۔ اور ان کے انداز گفتگو سے تو تم انہیں پہچان ہی لوگے ۴۹؎۔ اللہ تم لوگوں کے اعمال کو جانتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۙ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

۳۱ ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ دیکھ لیں کہ تم میں کون جہاد کرنے اور صبر کرنے والے ہیں؟ اور تمہارے حالات کی جانچ کرلیں۔ ۵۰؎

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

۳۲ جن لوگوں نے کفر کیا ۵۱؎ اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسولوں کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہوچکی تھی، وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان پہنچانے والے نہیں۔ اور اللہ ان کے سارے اعمال ڈھادیگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

۳۳ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔ ۵۲؎

۴۲؎ یعنی یہ لوگ اگر قرآن پر غور کرتے تو انہیں ہدایت مل جاتی۔مگر قرآن کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی اور اپنی غلط روش پر قائم رہے۔اوراس پران کے اصرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل کے دروازے قبول حق کے لئے بند ہو گئے۔

یہ آیت بھی دوسری آیتوں کی طرح کافروں اور منافقوں کو قرآن میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ہر شخص کے سمجھنے کے لئے ہے۔اب جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ کسی ایسے ترجمہ سے جس کی صحت کی طرف سے اطمینان ہو فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔مگر مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کے نزدیک قرآن صرف عالموں کے سمجھنے کے لئے ہے۔وہ عام مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ قرآن سمجھ کر پڑھنے کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ ان کو ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھنے سے روکتا ہے۔اور کہتا ہے کہ ترجمہ پڑھ کر ان کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔حالانکہ کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اس سے برابر فیضیاب ہو رہے ہیں۔اور کتنے ہی غیر مسلموں کو قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی قرآن کا صاف ذہن سے مطالعہ کرے گا وہ اس سے ہدایت ہی پائے گا۔اور جتنا مطالعہ کرے گا اس کی بصیرت میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔البتہ جس شخص کے دل کے دروازے ہی قبولِ حق کے لئے بند ہو چکے ہوں وہ اتنے بڑے خیر سے محروم ہی رہے گا۔

۴۳؎ یعنی جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوئے۔مراد منافقین ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اس کے بعد اس سے پھر گئے۔ہدایت کی راہ واضح ہو جانے کے بعد کفر کی راہ پر وہ اس لئے چل پڑے کہ شیطان نے انہیں سبز باغ دکھائے اور وہ اس کے فریب میں آ گئے۔اس نے انہیں امیدیں دلائیں کہ اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ کر تم یہ اور یہ نقد فائدے حاصل کر سکتے ہو۔

۴۴؎ یعنی کافروں سے انہوں نے ساز باز کی اور کہا کہ اگر تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔یہ باتیں انہوں نے رازدانہ طریقہ پر ان کافروں سے کہی تھیں۔

۴۵؎ یعنی اب تو یہ اپنی زندگی کو جہاد کے خطرہ سے بچانے کے لئے کافروں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔لیکن ان کو مرنا تو بہر حال ایک دن ہے۔تو جب ان کی موت کفر کی حالت میں ہوگی اور فرشتے مار پیٹ کرتے ہوئے ان کی روح قبض کریں گے تو ان کا کیا حال ہوگا۔اگر انہیں اس کا احساس ہوتا تو وہ جہاد سے جی چُرانے کے لئے کافر نہ بنتے۔

یہ آیت بھی صراحت کرتی ہے کہ عالم برزخ میں کافروں کی روحوں کو عذاب بھگتنا پڑتا ہے،جس کو حدیث میں عذاب قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔مرنے والے کے جسم پر اس عذاب کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا،اس لئے اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ عذاب روح پر ہوتا ہے۔چہرے اور پیٹھ سے مراد روح کا چہرہ اور پیٹھ ہے جن پر فرشتے ضرب لگاتے ہیں۔(مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ مؤمن نوٹ ۷۱؎)

۴۶؎ یعنی منافقوں کی عبادتیں اور ان کے وہ اعمال جو بظاہر نیک تھے ان کے کفر کی وجہ سے اللہ کے ہاں قبولیت نہیں حاصل کر سکے۔اسلئے سب رائیگاں گئے۔

۴۷؎ مراد نِفاق (منافقت) کا روگ ہے۔

۴۸؎ یعنی یہ منافق جو کینہ اور بغض اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رکھتے ہیں کیا اس کو وہ ظاہر نہیں کرے گا؟

۴۹؎ یعنی ہم چاہتے تو اے نبی! ان منافقوں کا حال تمہیں شخصاً شخصاً دکھا دیتے اس طور سے کہ ان کے چہروں کو دیکھ کر ان کے باطن کا حال تم پر ظاہر ہو جاتا۔

واضح رہے کہ یہ بات ان لوگوں کے بارے میں کہی جارہی ہے جو ظاہر میں مسلمان تھے لیکن اپنے باطن میں کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ یہی اصل منافق ہیں اور کافروں سے بدتر ہیں۔ کیوں کہ وہ اسلامی سوسائٹی میں رہ کر جو ریشہ دوانیاں کرتے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے کھلے کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔

جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی اس وقت منافقوں کا حال ظاہر ہونے لگا تھا۔ مگر وثوق کے ساتھ کسی پر اس کے منافق ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ البتہ ان کے لب ولہجہ اور ان کے طرز گفتگو سے ان کو شناخت کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بعد کے مراحل میں ان کے طرزِ عمل کے پیش نظر ان کے منافق ہونے کے بارے میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں ان سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا :۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ (التوبہ:۷۳)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔''

۵۰۔ یعنی یہ دیکھ لیں کہ تمہارے ظاہری حالات کہاں تک تمہارے باطنی حالات سے مطابقت رکھتے ہیں اور تم اپنے ایمان کے دعوے میں کہاں تک سچے ہو۔

۵۱۔ خواہ اس کا کفر چھپا ہوا ہو یا ظاہر ہو۔

۵۲۔ یہ تنبیہ ہے مسلمانوں کو کہ اگر تم نے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار نہیں بنایا تو تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔

تو تم کمزور نہ پڑو اور صلح کی دعوت نہ دو۔ تم ہی
غالب رہو گے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ
تمہارے اعمال کو ضائع نہ کرے گا۔ (القرآن)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ
مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

۳۴ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر حالتِ کفر ہی میں مر گئے اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا۔ ۵۳؎

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

۳۵ تو تم کمزور نہ پڑو اور صلح کی دعوت نہ دو ۵۴؎ تم ہی غالب رہو گے۔ ۵۵؎ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ کرے گا۔ ۵۶؎

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ
أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾

۳۶ دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشہ ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے اجر دے گا ۵۷؎ اور تم سے تمہارا مال طلب نہ کرے گا۔ ۵۸؎

إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾

۳۷ اگر وہ تم سے مال مانگے اور سب مال طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارا کھوٹ ظاہر کرے گا۔ ۵۹؎

هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ
يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ
وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾

۳۸ یہ تم لوگ ہو ۶۰؎ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تمہیں دعوت دی جا رہی ہے، تو تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں ۶۱؎ حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ اپنے ساتھ ہی بخل کرتا ہے ۶۲؎ اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم رخ پھیرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا، اور وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ ۶۳؎

۵۳ ۔ مغفرت کے لئے اس حالت کا اعتبار ہوگا جس میں اس شخص کی موت واقع ہوگئی۔ اگر کسی کی موت کفر کی حالت میں ہوئی ہے، تو اس کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں۔

۵۴ ۔ خود ہو کر صلح کی دعوت دینا، جبکہ کفار جنگ پر آمادہ ہوں بزدلی کی علامت ہے۔ اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ جب کفار خود صلح کی پیشکش کریں تو اس پیش کش کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ (انفال:۶۱)

''اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر توکل کرو۔''

۵۵ ۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اہل ایمان کا پلڑا ہر جنگ کے موقع پر بھاری رہا اور وہ کفار پر غالب آ گئے۔ اس طرح قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

۵۶ ۔ یعنی تمہاری وہ کوششیں جو تم نے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے کی ہوں گی، نہ دنیا میں بے اثر ہوں گی اور نہ آخرت میں بے نتیجہ۔

۵۷ ۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہے کہ ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرنے والوں کی زندگیاں کھیل تماشہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ سنجیدہ اور بامقصد ہوتی ہیں۔ البتہ دنیا کی زندگی ان لوگوں کیلئے کھیل تماشے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، جو اس کو اپنا مقصود بناتے ہیں اور خدا و آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

۵۸ ۔ یعنی تمہارا سارا مال طلب نہیں کرے گا جیسا کہ آگے بیان ہوا ہے۔

۵۹ ۔ یعنی اگر وہ تم سے یہ مطالبہ کرتا کہ تم اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے لئے کچھ نہ چھوڑو، تو تم بخل کرتے، اور یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ کفر و اسلام کی جنگ کے موقع پر بھی تم کو اپنا مال عزیز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اتنی سخت آزمائش میں نہیں ڈالا اور اپنے مال کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ تمہیں اپنی اصلاح کا موقع ملے اور تمہارے قلب کا تزکیہ ہو۔

واضح رہے کہ اس آیت میں خطاب منافقوں سے ہے، جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتے تھے۔

۶۰ ۔ یہاں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔

۶۱ ۔ یہ غیر مخلص مسلمان تھے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل برتتے تھے۔

۶۲ ۔ یعنی وہ بخل کر کے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

۶۳ ۔ یعنی تمہیں اللہ کے دین کی خاطر قربانیاں دینے کا جو موقع مل رہا ہے، وہ درحقیقت تمہارے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اگر تم اس کی قدر نہ کرو تو اللہ اپنا کلمہ بلند کرنے کیلئے کسی دوسرے گروہ کو میدان میں لے آئے گا۔ اور وہ تمہاری طرح کمزور کردار کے نہ ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ کرتی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ۔ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔

''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا، جن سے اللہ محبت رکھتا ہوگا اور جو اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔ مؤمنوں کے حق میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

۴۸۔ الفتح

نام پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلی فتح کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الفتح'' ہے۔

زمانۂ نزول ذی قعدہ ۶ھ (۶۲۸ء) میں صلح حدیبیہ کے بعد واپسی کے سفر میں حدیبیہ اور مدینہ کے درمیان اس کا نزول ہوا۔

مرکزی مضمون رسول اور پیروانِ رسول کو خوشخبری کہ اسلام کیلئے فتوحات کا آغاز ہو گیا ہے۔ اور ان حالات پر تبصرہ جو صلحِ حدیبیہ کے موقع پر پیش آئے تھے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۷ میں فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے رسول اور اس کے پیروؤں کے لئے ان انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، جن کو یہ فتح اپنے جِلو میں لائی ہے۔ اور منافقوں اور مشرکوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ یہ فتح ان کیلئے عذاب کا موجب ہوگی۔

آیت ۸ تا ۱۰ میں رسالت کے مقام کو واضح کیا گیا ہے۔ اور رسول کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ کے ہاتھ پر بیعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آیت ۱۱ تا ۱۷ میں منافقین کو فہمائش اور تنبیہ ہے جو رسول کی دعوت پر آپ کے ساتھ نہیں نکلے، کیوں کہ انہیں اپنے مال اور اپنے گھر والوں کی فکر تھی۔ اور رسول کے اس اقدام کو کہ مکہ جا کر عمرہ کریں خطرناک خیال کرتے رہے۔ البتہ جو لوگ واقعی معذور تھے ان کو بے قصور قرار دیا گیا۔

آیت ۱۸ تا ۲۶ میں مخلص مؤمنوں کو جنہوں نے اس موقع پر جہاد کے لئے بیعت کی، اور رسول کے حکم پر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو گئے، رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی ہے۔ اور وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ مستقبل میں بہ کثرت مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ اللہ کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوگی اس لئے کافر اِن کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکیں گے۔

آیت ۲۷ تا ۲۹ میں اہل ایمان کو یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ رسول نے، مسجد حرام میں داخل ہونے کا جو خواب دیکھا تھا وہ سچا تھا اور وہ پورا ہو کر رہے گا۔ رسول کے لئے غلبہ مقدر ہے اور اس کو ایسے مخلص ساتھی مہیا ہو گئے ہیں، جن کی تصویر تورات اور انجیل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

صلحِ حدیبیہ کیوں اور کیسے؟ ہجرت کے بعد مسلمانوں پر قریشِ مکہ نے مسجد حرام کی زیارت کی راہ روک دی تھی۔ وہ نہ عمرہ کر سکتے تھے اور نہ حج، جب کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر جو مسجد حرام میں واقع ہے حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے کی تھی۔ اور اس لئے کی تھی تا کہ وہ لوگوں کیلئے مرکزی عبادت گاہ قرار پائے اور وہ طواف، عمرہ اور حج کر سکیں۔ اس پر قریش کی اجارہ داری اور وہ بھی بت پرستی کی شکل میں، ایک ایسی بات تھی جس سے اس کی تعمیر کا مقصد ہی فوت ہو رہا تھا۔ نیز یہ مسلمانوں پر بہت بڑا ظلم تھا کہ وہ اپنے اصل مرکز سے بے تعلق ہو کر رہ جائیں۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ حق تھا کہ وہ مسجد حرام کی زیارت کریں۔

مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق لڑی جا چکی تھی۔ اور کفار مکہ برسر پیکار ہی تھے کہ ۶ھ میں نبی ﷺ نے ایک رؤیا (خواب) دیکھی کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گئے ہیں۔ چونکہ نبی کی رُؤیا سچی اور منجانب اللہ ہوتی ہے اس لئے آپ نے اللہ کی طرف سے یہ اشارہ پاتے ہی عمرہ (زیارت بیت اللہ) کا ارادہ کیا۔ اور اس کا عام اعلان کر دیا تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں تا کہ کافروں کو ان پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہو۔ آپ کی دعوت پر مدینہ کے چودہ سو مسلمان اس مہم میں شرکت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو یہ قافلہ مکہ کی سمت روانہ ہوا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کیلئے اونٹ ساتھ لئے تھے جن کی

گردنوں میں علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے تھے، تا کہ کوئی شخص بھی ان کو دیکھ کر پہچان لے کہ یہ قربانی (ھدی) کے اونٹ ہیں اور اس بنا پر کوئی تعرض نہ کرے۔ جنگ کا چونکہ کوئی ارادہ نہیں تھا اس لئے جنگی سامان بھی ساتھ نہ لیا تھا۔ عام رواج کے مطابق صرف تلواریں ساتھ تھیں اور وہ بھی میانوں کے اندر۔ جب آپ کُراع الغُمیم پہنچے جہاں سے مکہ کا فاصلہ تقریباً سو کلومیٹر ہے، تو معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ کی طرف سے خالد بن ولید کی قیادت میں تین سو گھوڑ سوار کا ایک دستہ آپ کے مقابلہ کیلئے پہنچ گیا ہے۔ چونکہ آپ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے، اس لئے آپ نے اس قریب کے راستہ کو چھوڑ کر دور کا راستہ مکہ جانے کے لئے اختیار کیا۔ اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے حرم کی حدود شروع ہو جاتی ہیں، اور مکہ کا فاصلہ صرف ۲۲ کلومیٹر رہ جاتا ہے۔ اب اس مقام کو شُمیسیہ کہتے ہیں۔

آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ وہ قریش سے کہیں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ مقصود صرف عمرہ ہے۔ نیز انہیں قبولِ اسلام کی دعوت بھی دیں۔ حضرت عثمان جب مکہ پہنچے تو ان کے قبیلہ والے عزت سے پیش آئے، اور قریش نے بھی ان کو طواف کرنے کی پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے طواف کرنے سے انکار کر دیا۔ قریش کسی طرح اس بات کے لئے آمادہ نہیں ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہوں۔ اس بحث میں حضرت عثمان کی واپسی میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ ادھر مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور بظاہر یہ صورت پیدا ہو گئی کہ اب بزور ہی مکہ میں داخل ہونا پڑے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کو جہاد کی بیعت کرنے کی دعوت دی، چنانچہ صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بلا تامل بیعت کی، جو اس بات کا عہد تھا کہ اگر مشرکینِ مکہ عمرہ کی ادائیگی سے روکتے ہیں، تو وہ بغیر جنگی سامان کے بھی محض اپنی تلواروں سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ ایک تاریخی بیعت تھی جو بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ مرعوب ہوئے۔ اور انہوں نے سہیل بن عَمرو کی قیادت میں ایک وفد صلح کی بات چیت کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ بات چیت کے بعد جو معاہدۂ صلح طے پایا اس کی اہم دفعات یہ تھیں:۔

۱) امسال مسلمان مدینہ لوٹ جائیں اور آئندہ سال مکہ آ کر عمرہ کریں۔ اس موقع پر قریش ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔

۲) مسلمان اپنے ساتھ صرف تلواریں لا سکیں گے اور وہ میان میں ہوگی۔

۳) وہ مکہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔

۴) مسلمان اور قریش کے درمیان اب جنگ کی حالت باقی نہیں رہے گی۔ اور یہ معاہدہ دس سال کے لئے ہے۔

۵) قریش کا کوئی آدمی اگر مدینہ آ جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا، اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آئے تو اسے واپس کرنا ضروری نہ ہوگا۔

۶) حرم کے اطراف میں رہنے والے قبائل کو اس بات کی آزادی ہوگی کہ وہ دونوں میں سے جس فریق کے ساتھ چاہیں ہو جائیں۔ اس کے بعد اس قبیلہ کی بھی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو معاہدہ نے اس فریق پر عائد کی ہیں۔ اسی طرح اس کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو معاہدہ کی رو سے اس فریق کے قرار پاتے ہیں۔

۷) ان قبائل میں سے اگر کسی قبیلہ سے تعرض کیا گیا تو اسے متعلقہ فریق کے خلاف زیادتی سمجھا جائے گا۔ اور اس سے معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔

(صلح الحدیبیہ۔ محمد احمد باشمیل۔ ص ۲۵۲ تا ۲۵۴)

اس معاہدہ کا ظاہری پہلو ایسا تھا کہ گویا مسلمانوں نے دب کر صلح کر لی ہے۔ لیکن درحقیقت اس سے مسلمانوں کی پوزیشن کافی مضبوط ہو گئی تھی۔

کیوں کہ اس سے اول تو مسجد حرام کی زیارت کی راہ کھل رہی تھی، اور دوسرے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کا خاتمہ ہو رہا تھا، جس سے وہ رکاوٹ دور ہو رہی تھی جو اسلام کی اشاعت کی راہ میں حائل تھی۔ اور لوگوں کو اسلام کے بارے میں آزادانہ غور و فکر کا موقع مل رہا تھا۔

معاہدۂ صلح سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے، حدیبیہ ہی میں قربانی (ہَدْی) کے اونٹ ذبح کئے اور عمرہ کا احرام اتارا۔ اس کے بعد مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آئندہ سال ذی قعدہ ہی میں آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے اور پر امن فضا میں آپ نے عمرہ ادا کیا۔ اس طرح وہ رؤیاء (خواب) سچی ثابت ہوئی جو آپ نے دیکھی تھی۔

مدینہ اور حدیبیہ کے درمیان

راستہ

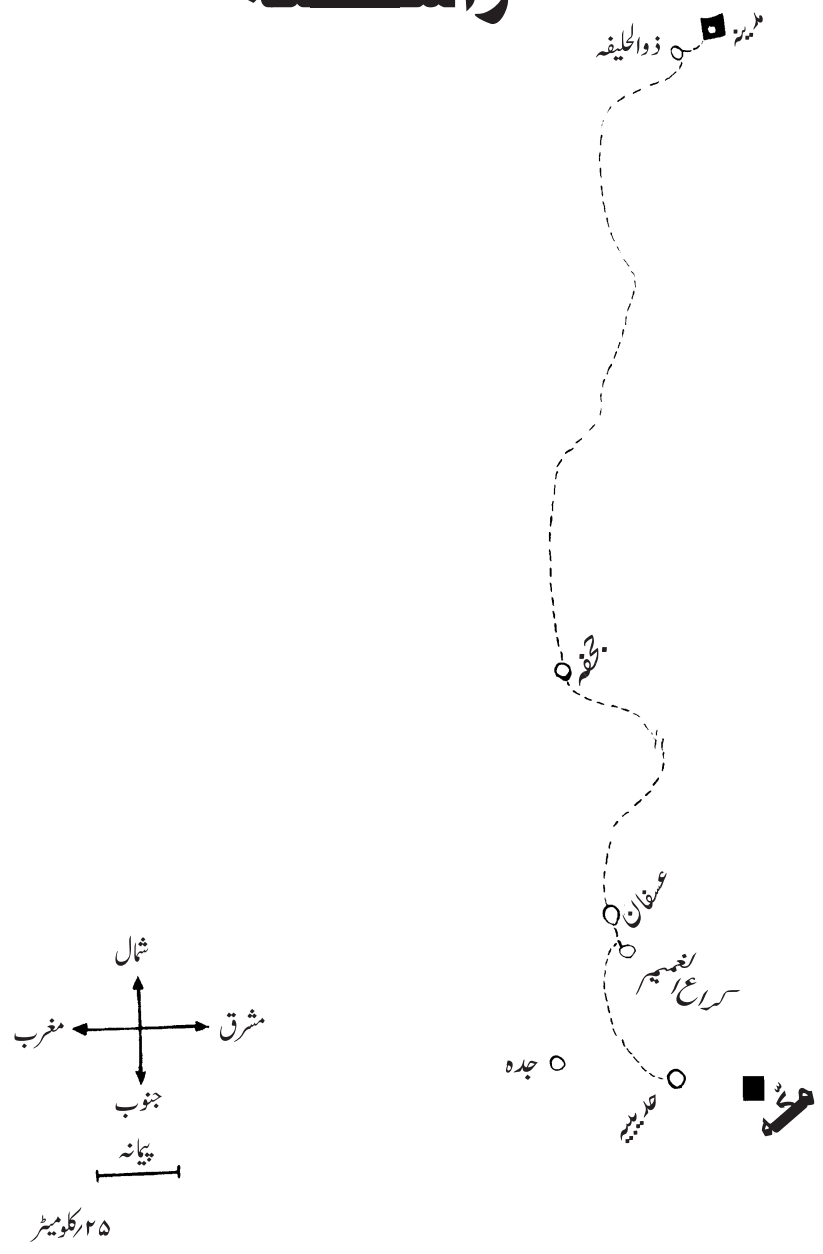

سُوْرَةُ الْفَتْحِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ
لِيَزْدَادُوْٓا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ ۗ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ
عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ
الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾

۴۸۔ سُوْرَةُ الْفَتْحِ

آیات : ۲۹

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ (اے نبی!) یقیناً ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کی، ۱؎

۲ تا کہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے قصوروں کو معاف کر دے ۲؎، اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے ۳؎، اور تم کو سیدھی راہ چلائے، ۴؎

۳ اور زبردست نصرت سے اللہ تمہاری مدد فرمائے۔ ۵؎

۴ اسی نے مؤمنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی ۶؎، تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ انہیں مزید ایمان حاصل ہو ۷؎۔ آسمانوں اور زمین کے تمام لشکروں کا مالک اللہ ہی ہے ۸؎۔ اور اللہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے، ۹؎

۵ (اس نے یہ فتح اس لئے عطا فرمائی) تا کہ وہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور تا کہ ان سے ان کی برائیاں دور کر دے۔ اللہ کے نزدیک یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۱۰؎

۶ اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے ۱۱؎، جو اللہ کے بارے میں برا گمان رکھتے ہیں۔ برائی کی گردش ان ہی پر ہے۔ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی۔ ان کے لئے اس نے جہنم تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۷ آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ اور وہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

۸ (اے نبی!) ہم نے تم کو گواہی دینے والا ۱۲؎، خوشخبری دینے والا ۱۳؎، اور خبردار کرنے والا ۱۴؎، بنا کر بھیجا ہے،

ا ۔ مراد فتح مکہ ہے جس کی تمہید صلح حدیبیہ تھی ۔ اس معاہدہ کے دو سال کے اندر (رمضان ۸ ؁ھ) مکہ فتح ہوا اور قرآن کی یہ پیشین گوئی کہ '' ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا کی ہے '' سچی ثابت ہوئی ۔ صلح حدیبیہ کا ظاہری پہلو مسلمانوں کے لئے ناگواری کا باعث تھا کیوں کہ انہیں اس سال عمرہ کئے بغیر مدینہ لوٹنا پڑ رہا تھا ۔ لیکن اللہ کے رسول کی دور رس نگاہیں اس کے خوشگوار اثرات ونتائج کو دیکھ رہی تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی فتوحات کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے ۔ علامہ ابن قیم اس کی حکمتوں کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

یہ تمہید تھی عظیم ترین فتح کی جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے رسول اور اپنے لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے ۔ تو یہ صلح اس فتح کا باب اور اس کی کلید تھی نیز اس کا پیشگی اعلان تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ صلح فتح عظیم تھی کیوں کہ اس سے لوگوں کو امن میسر آیا اور مسلمانوں کو کافروں سے ملنے جلنے ، ان کے سامنے دعوت پیش کرنے ، ان کو قرآن سنانے اور بے خوف ہو کر ان سے اسلام پر علانیہ مذاکرہ کرنے کا موقع ملا ۔ جو لوگ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے وہ ظاہر ہو گئے اور مدتِ صلح کے دوران اللہ نے جن کو توفیق دی وہ اسلام میں داخل ہو گئے ۔ اسی لئے اللہ نے اسے فتحِ مبین قرار دیا ۔ ۔ ۔ ۔ بظاہر یہ صلح مسلمانوں کے لئے حق تلفی کا باعث تھی لیکن اس کے باطن میں عزت ، فتح اور نصرت تھی '' ۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۱۳۰)

واضح رہے کہ موجودہ زمانہ میں بعض حضرات اپنے غلط نظریات کے لئے صلح حدیبیہ کا سہارا لیتے ہیں ، جس سے جہاد کی اسپرٹ مجروح ہو جاتی ہے ۔ وہ اسلام کی ایسی تعبیر کرتے ہیں کہ گویا وہ دشمنان اسلام کے لئے لوچ ہے اور مسلمانوں کو ان کے لئے نرم چارہ بن جانا چاہئے حالانکہ اسلام میں جنگ بھی ہے اور صلح بھی ۔ صلح حدیبیہ تو ایک خاص موقع پر کی گئی تھی جس کی پیش کش کفار مکہ نے کی تھی نہ کہ مسلمانوں نے ۔ مسلمانوں کو تو سورۂ محمد میں پہلے ہی یہ ہدایت دی جا چکی تھی کہ وہ صلح کے لئے پہل نہ کریں :۔

فَلَاتَهِنُوا وَتَدعُوا اِلَی السَّلْمِ ۔ (محمد : ۳۵) '' ہمت نہ ہارو اور صلح کے لئے نہ بلاؤ ۔ ''

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے جنگِ بدر (۲ ؁ھ) اور جنگِ احد (۳ ؁ھ) میں لڑی گئی تھی اور خندق (۵ ؁ھ) کا معرکہ بھی پیش آ چکا تھا ۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے ختم ہونے پر بزور مکہ فتح کیا گیا اور حنین میں جنگ کا بازار گرم ہوا ۔ اور تبوک میں تو رومن ایمپائر کو چیلنج کیا گیا ۔ تو کیا ان سب واقعات کو نظر انداز کر کے صلح حدیبیہ کو بے موقع پیش کرنا اور اس بنیاد پر ایک خاص فکر تشکیل دینا صریح بے اعتدالی اور یک رخا پن نہیں ہے ؟

۲ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ فتح مکہ کے بعد رسول کے مشن کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اس کا مقصد بعثت پورا ہو جاتا ہے ۔ کیوں کہ آخری نبی کے ذریعہ مرکزِ توحید کو مشرکوں سے پاک کر کے امت مسلمہ کے حوالہ کرنا اور اسلام کو اس طرح سربلند کرنا کہ تمام ادیان پر اس کا غلبہ ہو ، وہ آخری غایت (Goal) تھی جس کیلئے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا ۔ اس آخری غایت کے حاصل ہو جانے کے بعد دنیا سے آپ کی رخصت کا وقت قریب آ جاتا ہے اس لئے آپ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ فتح مکہ اپنے جلو میں پروانۂ مغفرت لائی ہے ۔ آپ سے جو قصور بھی سرزد ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں گے ان سب کے لئے آپ کے رب کی طرف سے معافی کا پیشگی اعلان ہے ۔ یہ بشارت نبی ﷺ کی سعی و جہد کو شرفِ مقبولیت بخشنے والی اور فرائض رسالت کی ادائیگی پر آپ کی قدر افزائی کا موجب تھی ۔ اس خوشخبری کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادت میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ آپ کے پاؤں قیامِ لیل سے متورم ہو جاتے ۔ جب صحابہ نے آپ سے پوچھا کیا آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف نہیں کر دئے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا :۔

اَفَلَا اَکُونُ عَبْدًا شَکُورًا ۔ (بخاری کتاب التفسیر) '' کیا میں شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں '' ؟

رہا یہ سوال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قصور سرزد ہوئے تھے یا نہیں تو اس کی وضاحت سورۂ مؤمن کے نوٹ ۷۹ ۔ میں کی جا چکی ہے ۔ اس کو پیش نظر رکھا جائے ۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ بات مسلّم ہے کہ وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے۔ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور غیر مشروط اتباع اسی کی، کی جاسکتی ہے جو معصوم ہو۔اس سے عصمتِ انبیاء کا حق ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کبھی کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔قصور کا سرزد ہونا بشریت کا تقاضا ہے۔نادانستہ کسی قصور کے سرزد ہونے اور دانستہ کسی گناہ کا ارتکاب کرنے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔پھر وحی الٰہی ان کے قصوروں پر انہیں متنبہ کر دیتی ہے اور وہ فوراً رجوع کر لیتے ہیں۔اس لئے لوگوں کے سامنے کسی غلط مثال کے پیش ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن نے خود بعض انبیاء علیہم السلام کے بعض قصوروں کا ذکر اس طور پر کیا ہے کہ انہیں ان پر متنبہ کیا گیا اور وہ فوراً اللہ کی طرف احساس عبدیت کے ساتھ رجوع ہو گئے۔انبیاء علیہم السلام اپنے قصوروں کی معافی کے لئے دعا بھی کرتے رہے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی:۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ (شعراء: ۸۲)

''اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطائیں معاف کر دے گا۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔(بخاری کتاب الدعوات)

۳۔ نعمت پوری کرنے سے مراد خیر سے مالا مال کرنا، عزت و سرفرازی عطا کرنا اور مرتبہ کو بلند کرنا ہے۔

۴۔ یعنی فتح سے ہم کنار ہونے کے بعد بھی اللہ آپ کو راہِ راست پر چلائے گا۔یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ فتحیابی کے بعد ایک قائد غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور غلط روی اختیار کرتا ہے مگر آپ کا معاملہ ایسا نہیں۔آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کی توفیق اور رہنمائی میں سارے مراحل طے کر رہے ہیں اس لئے فتحیابی کے بعد بھی آپ راہِ ہدایت پر چلتے رہیں گے۔اور واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے جس طرح زندگی گزاری اور اقتدار پا کر جس احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اس کو استعمال کیا وہ آپ کا ایک بے مثال کارنامہ ہے۔مکہ میں آپ فاتحانہ داخل ہوئے تھے مگر سر عبودیت جھکا ہوا تھا اور اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔''

۵۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایسی نصرت کہ جو بھی تم سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو کر رہ جائے گا۔انجیل میں بھی اس کی پیشین گوئی موجود ہے:۔

''اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔لیکن جس پر وہ گرے گا پیس ڈالے گا۔'' (متی ۲۱: ۴۳، ۴۴)

اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے:۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ''میری رعب سے مدد کی گئی ہے۔'' (مسلم کتاب المساجد)

۶۔ یعنی حدیبیہ کے موقع پر جب کہ مسلمان احرام کی حالت میں تھے اور جنگ کی نوبت آ گئی تھی مسلمان سخت اضطراب میں مبتلا ہو سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد سکینت نازل فرما کر کی، اس لئے وہ مطمئن تھے اور جان ہاتھوں میں لے کر مکہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔انہوں نے اس موقع پر کوئی کمزوری نہیں دکھائی یہاں تک کہ انہیں صلح کا معاہدہ قبول کرنے میں بھی تامل ہوا، جس سے ان کے حوصلہ اور ان کی جانفروشی کے جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔

۷۔ یعنی ان کے ایمان میں اضافہ ہو۔

جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کا عقیدہ یکساں رہتا ہے، لیکن ایمانی کیفیت میں حُسنِ عمل اور ان قربانیوں کی بنا پر جو وہ دین کیلئے

دیتا ہے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔قرآن کی متعدد آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔(دیکھئے سورۂ انفال آیت ۲ نوٹ ۳ ۔ اور سورۂ توبہ آیت ۱۲۴ نوٹ ۲۲۶ ۔)

۸ ۔ اس لئے وہ جس کو فتح کرنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

۹ ۔ اس لئے اس کا ہر فیصلہ علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۱۰ ۔ یعنی یہ فتح اپنے پہلو بہ پہلو اہل ایمان کے لئے اخروی کامیابی کا مژدہ بھی لائی ہے کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی، ان کی سعی مشکور ہوئی اور ان کو جنت کا پروانہ مل گیا۔

مؤمن عورتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا کیوں کہ اس مہم کو سر کرنے میں وہ مردوں کی مددگار رہوئیں اور ان کے حوصلوں کو بڑھاتی رہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا! یا رسول اللہ آپ کو تو اس سورہ میں اپنے اگلے پچھلے گناہ بخش دئے جانے کی بشارت سنائی گئی ہے مگر ہمارے لئے کیا ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی تمہارے لئے جنت ہے۔(ترمذی۔ابواب التفسیر)

۱۱ ۔ یعنی فتح مکہ جہاں اہل ایمان کے لئے عنایت کا باعث ہوگی وہاں منافقین اور مشرکین کے لئے عذاب کا موجب ہوگی۔چنانچہ فتح مکہ کے بعد ان کی سرکوبی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۱۲ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ احزاب نوٹ ۹۹ ۔

۱۳ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ احزاب نوٹ ۱۰۰ ۔

۱۴ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ احزاب نوٹ ۱۰۱ ۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹

۹ تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اس کی حمایت کرو اور اس کی تعظیم کرو ۱۵؎۔ اور اللہ کی تسبیح کرو صبح و شام ۔ ۱۶؎

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ع

۱۰ (اے نبی!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا ۱۷؎، تو جو شخص عہد توڑے گا وہ اپنی عہد شکنی کا وبال اپنے ہی اوپر لے گا۔ اور جو اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے ۱۸؎، اسکو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۱

۱۱ بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے وہ ۱۹؎، تم سے ضرور کہیں گے کہ ہم کو اپنے مال اور بال بچوں نے مشغول کر رکھا تھا۔ لہٰذا آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ یہ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں ۲۰؎۔ کہو کون ہے جو اللہ کے مقابل تمہارے لئے کچھ اختیار رکھتا ہو اگر وہ تمہیں کوئی نقصان یا نفع پہنچانا چاہے؟ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۲

۱۲ مگر تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور اہل ایمان اب کبھی اپنے گھر والوں میں پلٹ کر نہ آسکیں گے ۲۱؎۔ اور یہ بات تمہارے دلوں کو خوشنما معلوم ہوئی ۲۲؎، اور تم نے بُرے گمان کئے ۲۳؎، اور تم ہلاک ہونے والے بنے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝۱۳

۱۳ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ایسے کافروں کے لئے ۲۴؎، ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ۲۵؎

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۴

۱۴ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے ۲۶؎۔ وہ مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۲۷؎

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵

۱۵ جب تم غنیمتیں حاصل کرنے کیلئے جانے لگو گے تو یہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے ہیں، ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ چلنے دو ۲۸؎، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں۔ (ان سے) کہو تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہ بات اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے ۲۹؎۔ یہ کہیں گے نہیں بلکہ تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔ ۳۰؎

۱۵؎ یعنی رسول کا مقام نہایت بلند مقام ہے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس پر ایمان لانے کے بعد اس کے حامی و ناصر بن کر کھڑے ہو جاؤ اور اس کی تعظیم و توقیر کرو۔

واضح رہے کہ تُعَزِّرُوْہُ (اس کی حمایت کرو) اور تُوَقِّرُوہُ (اس کی تعظیم کرو) کے الفاظ رسول ہی کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں لہٰذا ضمیر (ہٗ) کا تعلق رسول ہی سے ہے۔ سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں بھی عَزَّرُوہُ (اس کی حمات کی) کا لفظ رسول ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۱۶؎ سَبِّحُوہُ (اس کی تسبیح کرو) میں ضمیر ہٗ اللہ ہی کے بارے میں ہو سکتی ہے کیوں کہ تسبیح صرف اللہ ہی کی، کی جا سکتی ہے اسلئے ترجمہ ''اللہ کی تسبیح کرو'' کیا گیا ہے۔

۱۷؎ اشارہ ہے بیعتِ رضوان کی طرف جو حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے لی تھی کہ وہ بھاگیں گے نہیں اگرچہ انہیں موت کے منہ میں جانا پڑے۔ (مزید تفصیل آگے آیت ۱۸ کے ذیل میں آرہی ہے)

یہ بیعت (عہد) جو رسول کے ہاتھ پر کی گئی تھی درحقیقت اللہ سے بیعت تھی کیوں کہ رسول اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے اور وہ جو حکم دیتا ہے اللہ کے حکم سے دیتا ہے لہٰذا اس سے عہد کرنا اللہ سے عہد کرنا ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا کہ ''ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔''

واضح رہے کہ قرآن میں صرف رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ذکر ہوا ہے اور اس کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے یہ بیعت رسول کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ ایک بیعت وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے اور وہ ہے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا۔ یہ بیعت خلیفہ کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں حکومت کے سربراہ کے انتخاب کا وہ طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ ان حالات میں وہ رائج ہو سکتا تھا جو موجودہ دور کی جمہوری حکومتوں میں رائج ہے۔ اس لئے اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا تھا اور لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت یعنی معروف میں اطاعت کا عہد کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے اس شخص کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد خلفائے راشدین کے ہاتھ پر جو بیعت کی گئی اس کی نوعیت یہی تھی۔ خلیفہ کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرنا تاکہ اسلام کا اجتماعی نظام قائم ہو اور اس نظام کے تحت احکام وقوانین کی بشرطیکہ وہ شریعت سے متصادم نہ ہوں پابندی کی جائے۔

رہی وہ بیعت جو پیر اپنے مرید بنانے کیلئے لیتا ہے تو یہ صریح بدعت ہے۔ شریعت نے نہ اس کا حکم دیا ہے اور نہ صحابہ کرام میں اس کا طریقہ رائج تھا۔ علاوہ ازیں اس میں طرح طرح کی قباحتیں ہیں مثلاً پیروں کی عقیدت میں غلو، بزرگ پرستی، اس قسم کی بیعت کو نجات اخروی کے لئے کافی سمجھنا، پیروں کا اپنے بارے میں غلط زعم میں مبتلا ہونا اور اپنے مریدوں کی غلط رہنمائی کرنا، ان پر شریعت کی جگہ طریقت مسلط کر دینا اور سنت کو چھوڑ کر انہیں بدعتوں میں الجھائے رکھنا وغیرہ۔ اس لئے اس قسم کی بیعت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۸؎ عربی کے عام قاعدہ کے رو سے عَلَیْہِ اللّٰہِ ہونا چاہئے تھے یعنی علیہ کی ''ہ'' کو زیر ہوتا لیکن آیت میں ''ہ'' پر پیش یعنی عَلَیْہُ اللّٰہ پڑھا جاتا ہے۔ اس قسم کا تصرف (تبدیلی) عربی کلام میں روانی پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ یہاں بھی عَلَیْہِ کو پیش (ُ) کے ساتھ پڑھنے سے کلام میں روانی پیدا ہو گئی ہے۔ اور کلام الٰہی کی روانی تو دریا کی روانی سے بھی بڑھ کر ہے۔

۱۹؎ مدینہ کے اطراف میں رہنے والے بدو ہیں جو عمرہ کی اس مہم میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک نہیں تھے۔ ان پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر المُخَلَّفون (پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے) کے لفظ سے کیا گیا ہے جس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ ان لوگوں نے جب پیچھے رہنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں پیچھے چھوڑ دیا اور انہیں نکلنے کی توفیق نہیں بخشی۔

۲۰ ۔ یعنی ان بدوؤں کو کوئی واقعی عذر نہیں تھا اور نہ ان کو رسول کی دعوت پر اس مہم میں شریک نہ ہو جانے پر احساس ندامت ہے۔ ان کی دعائے مغفرت کی درخواست بھی محض منافقت پر پردہ ڈالنے کے لئے ہے ورنہ سچے دل سے وہ مغفرت کے طالب نہیں ہیں۔

اس سے منافقت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور وہ ہے دل سے ایمان نہ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا۔

۲۱ ۔ یہ منافقین سمجھ رہے تھے کہ جب مسلمان عمرہ کیلئے مکہ میں داخل ہوں گے تو قریش اور دوسرے قبیلے کے لوگ لازماً ان کے خلاف جنگ کریں گے اور مسلمان چونکہ جنگ کی تیاری کے ساتھ نہیں جا رہے ہیں اسلئے اپنا بچاؤ نہیں کر سکیں گے۔ اب رسول کے ساتھ مسلمانوں کی پوری جمعیت کا خاتمہ یقینی ہے۔ منافقین کا یہی گمان تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اس مہم میں رسول کا ساتھ نہیں دیا۔ مگر اب وہ اس بات کو چھپا کر اپنی مشغولیت کا عذر پیش کر رہے ہیں۔

۲۲ ۔ یعنی جب وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی جمعیت رسول کی قیادت میں ایک نہایت خطرناک مہم سر کرنے جا رہی ہے تو وہ چین سے کس طرح اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ ان کی یہ بزدلانہ حرکت انہیں اس لئے بھلی معلوم ہوئی کہ ان کی ذہنیت غلط تھی۔

۲۳ ۔ یعنی تم نے اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بُرے گمان کئے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا نہیں اور نہ رسول کا خواب سچا ثابت ہونے والا ہے۔

۲۴ ۔ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کو تو مانتا ہے لیکن اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان نہیں لاتا وہ بھی کافر ہے۔ یہ آیت بھی اس کی صراحت کرتی ہے اور دوسری آیتیں بھی اس پر دلیل ہیں۔

۲۵ ۔ یعنی جہنم۔

۲۶ ۔ یہ اللہ کے غیر محدود اختیارات کا ذکر ہے کہ وہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ ساتھ ہی وہ عدل کرنے والا اور حکمت والا ہے اس لئے وہ اپنے اختیارات کو عدل و حکمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے اس لئے ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی کو سزا دے۔

۲۷ ۔ یہ ترغیب ہے بندوں کو کہ اگر ان سے گناہ سرزد ہوئے ہیں تو وہ مایوس نہ ہوں بلکہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی مغفرت اور رحمت کے طلب گار بنیں۔

۲۸ ۔ اشارہ ہے مستقبل قریب میں پیش آنے والی فتوحات کی طرف جو آسانی سے حاصل ہو سکیں گی اور جن میں کثیر مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے گا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے کچھ ہی دنوں بعد محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوا جو مدینہ کے شمال مشرقی جانب تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں یہود آباد تھے اور یہ علاقہ مستحکم قلعوں، زرعی زمینوں اور نخلستانوں کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس فتح میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور زرعی زمینوں اور نخلستانوں کی پیداوار سے مسلمانوں کے وسائل میں کافی اضافہ ہوا۔

یہ اموال غنیمت اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کرنے والوں کے لئے خاص کر دیئے تھے اس لئے اس نے اس غزوہ میں ان لوگوں کو شرکت کی اجازت نہیں دی جو عمرہ کے سفر میں اس کے پُرخطر ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے۔

۲۹ ۔ یعنی غزوۂ خیبر کے پیش آنے سے پہلے جب کہ سورۂ فتح نازل ہوئی اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ حکم دے چکا تھا کہ ان پیچھے رہ جانے والوں کو مستقبل قریب میں پیش آنے والے اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہ دی جائے جس میں اموال غنیمت کا حصول متوقع ہے۔ کیوں کہ جب انہوں نے ایک پُرخطر مہم میں رسول کا ساتھ نہیں دیا تو ان اموالِ غنیمت سے محرومی ان کے لئے مقدر ہو گئی۔

۳۰ ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو عقل دی ہے کہ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی اور خواہ وہ عوام میں سے ہو یا خواص میں سے۔ اور یہ عقل اس لئے دی ہے تا کہ وہ سمجھداری کا ثبوت دے لیکن جب آدمی عقل سے کام نہیں لیتا تو ناسمجھی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

خیبر کا محلِ وقوع

مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر

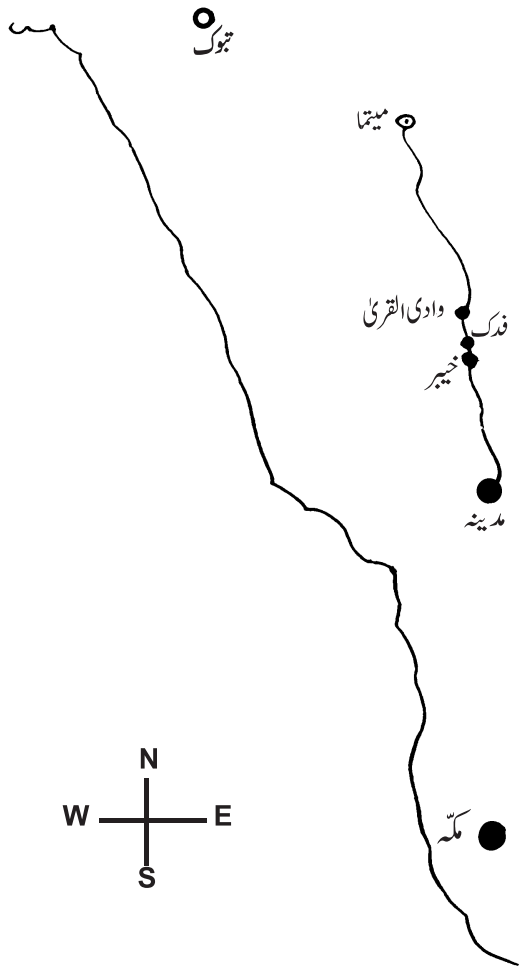

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

۱۶ ان بدوؤں سے جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے ہیں کہہ دو کہ عنقریب تمہیں ایک سخت زور آور قوم سے مقابلہ کے لئے بلایا جائے گا۔ تم کو ان سے جنگ کرنا ہوگی یا وہ اسلام میں آجائیں گے ۳۱؎ ۔ اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کی تو اللہ تم کو اچھا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے منہ موڑا جیسا کہ تم پہلے منہ موڑ چکے ہو، تو وہ تم کو دردناک سزا دے گا۔ ۳۲؎

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

۱۷ نابینا (کے جہاد کے لئے نہ نکلنے) پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے اور مریض پر کوئی حرج ہے ۳۳؎ ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ۳۴؎ ۔ اور جو روگردانی کرے گا اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

۱۸ اللہ راضی ہوا مؤمنوں سے جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ۳۵؎ ۔ اس نے جان لیا ان کے دلوں کا حال ۳۶؎ اس لئے اس نے اُن پر سکینت نازل کی ۳۷؎، اور ان کو ایک قریبی فتح عطا کی ۔ ۳۸؎

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

۱۹ اور غنیمت کے بہت سے مال جن کو وہ حاصل کریں گے ۳۹؎ ۔ اللہ غالب ہے حکمت والا ۔ ۴۰؎

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾

۲۰ اللہ نے تم سے بہ کثرت اموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے ۴۱؎ ۔ اور فوری طور پر تم کو یہ (نُصرت) عطا فرمائی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے ۴۲؎ ۔ اور اس لئے ایسا کیا تاکہ مؤمنوں کیلئے ایک نشانی ہو ۴۳؎ ۔ اور تمہیں سیدھی راہ پر چلائے، ۴۴؎

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا ۭ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

۲۱ اور دوسرے اموال غنیمت بھی جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے لیکن اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے ۴۵؎ ۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

۲۲ اگر یہ کافر تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر جاتے پھر نہ کوئی کارساز پاتے اور نہ مددگار ۔ ۴۶؎

۳۱ ۔ اشارہ ہے قبیلۂ ہوازن کی طرف جس کے ساتھ شوال ۸ ھ میں معرکہ آرائی ہوئی اور یہ غزوۂ مکہ ہی کے سلسلہ کی کڑی تھی ۔ ہوازن بڑے جنگجو اور ماہر تیرانداز تھے ۔ ان سے مقابلہ آسان نہ تھا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کر لیا تو ہوازن کی طرف بڑھے جنہوں نے جنگ کی زبردست تیاری کر لی تھی ۔ آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا پھر بھی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا بالآخر ہوازن کے قدم اکھڑ گئے اور لشکرِ اسلام کو کامیابی ہوئی اور بہ کثرت مالِ غنیمت ہاتھ لگا ۔ اس کے بعد ہوازن کے لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے اس طرح مکہ پر اسلام کا اقتدار مضبوط ہوا ۔

۳۲ ۔ اس تنبیہ کا اثر یہ ہوا کہ مدینہ کے اطراف کے مزینہ اور جہینہ جیسے بدو قبیلے جو حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے فتح مکہ کی مہم میں شریک ہوئے اور حُنین میں ہوازن سے معرکہ آرائی کی جو نہایت زور آور قوم تھی ۔

اس جہاد سے منہ موڑنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے جس سے اس گناہ کی سنگینی واضح ہو جاتی ہے ۔ یہ گناہ اس لئے سنگین تھا کہ اولاً یہ اللہ اور اس کے رسول کے صریح حکم (جہاد کے حکم) کی کھلی نافرمانی تھی ۔ ثانیاً ایک ایسے نازک موقع پر جب کہ اسلام کو شدید خطرات کا سامنا ہو اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اجتماعی قوت درکار تھی گوشۂ عافیت میں بیٹھے رہنا کسی مسلمان کا کام نہ تھا ۔ ثالثاً اللہ کا رسول اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر جہاد کے لئے نکل پڑے اور اس کے پیروچین سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں ۔ یہ صریح منافقت ہے ۔ اس لئے یہ جہاد جس میں رہنمائی اور قیادت کے لئے خود اللہ کا رسول موجود تھا ایمان کی کسوٹی قرار پایا ۔ اس سے منہ موڑنے والے وہی لوگ ہو سکتے تھے جو اپنے ایمان میں مخلص نہ تھے ۔

۳۳ ۔ یعنی ایسے لوگ جو کسی واقعی عذر کی بنا پر جہاد میں شریک نہ ہو سکے ان پر کوئی گرفت نہیں ۔ نابینا ، لنگڑا اور مریض ہونا واقعی مجبوری ہے جس کا شریعت نے لحاظ کیا ہے ۔

۳۴ ۔ یعنی واقعی عذر کی بنا پر جہاد میں شریک نہ ہونے والوں پر کوئی حرج نہیں ہے ۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخلصانہ اطاعت کرتے رہیں ۔ ان کی اطاعت شعاری ہی انہیں جنت کا مستحق بنا سکتی ہے ۔

۳۵ ۔ یہ بیعت نبی ﷺ نے حدیبیہ میں صحابۂ کرام سے اس وقت لی جب حضرت عثمان جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کے لئے آئے ہیں ، واپس نہیں آئے تو تشویشناک صورت پیدا ہوئی کہ عمرہ ادا کرنے کے لئے اب کفارِ مکہ کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا ہوگا ، اور اس حال میں کرنا ہوگا کہ مسلمان احرام کی حالت میں ہیں اور ان کے پاس جنگی سامان بھی نہیں ہے ۔ مدافعت کیلئے صرف تلواریں ہیں جو سفر میں ساتھ ہوا کرتی تھیں ۔ اس نازک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے صحابۂ کرام سے عہد لیا کہ وہ بھاگیں گے نہیں اور پیش نظر مقصد کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں گے ۔ صحابۂ کرام نے جنکی تعداد ایک ہزار چار سو تھی پورے جوش وخروش اور خوش دلی کے ساتھ یہ بیعت کی تھی ۔ اس بیعت سے قریش مرعوب ہوئے اور انہوں نے صلح کی پیشکش کی اور اس سے پہلے حضرت عثمان بھی بسلامت واپس آ گئے ۔ اللہ کو یہ بیعت جو ایک نازک موقع پر رسول کی معیت میں جان کی بازی لگانے کے لئے کی گئی تھی بہت پسند آئی اور بیعت کرنے والوں کو اس آیت کے ذریعہ خوشخبری دی کہ اللہ ان سے راضی ہوا ۔ اس وجہ سے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں ۔

حضرت عثمان کی اس وقت مکہ سے واپسی نہیں ہوئی تھی اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے خود بیعت کر لی اس طرح حضرت عثمان کو بھی اس بیعت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی ۔ حضرت عثمان کی طرف سے آپ کا بیعت کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے اس خبر پر یقین نہیں کیا تھا کہ حضرت عثمان مکہ میں قتل کر دئے گئے اور نہ اس افواہ کی بنا پر آپ نے صحابۂ کرام سے بیعت لی تھی بلکہ کفارِ مکہ سے مزاحمت کے اندیشہ کی وجہ سے بیعت لی تھی ۔

یہ آیت ان تمام صحابہ کو جو اس بیعت میں شریک تھے اللہ کی خوشنودی کی سند عطا کرتی ہے اس کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ ایسا ہے جو چند افراد کو مستثنیٰ کر کے صحابہ کے پورے گروہ کو غلط کار ٹھہراتا ہے اور ان کو لعن طعن کرتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگوں کی جسارت دیکھئے کہ اللہ نے جن لوگوں کے بارے میں اپنی خوشنودی کا اعلان کیا ہے ان سے وہ بغض کا اظہار کرتے ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر قرآن کی روشنی میں اپنا رویہ متعین کرتے!

۳۶۔ یعنی ان کے دل کا خلوص اور ان کی وفا شعاری ظاہر ہو گئی۔

۳۷۔ یعنی قلبی اطمینان اور سکون انہیں حاصل ہوا اور یہ چیز ان کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوئی چنانچہ پر خطر حالات میں بھی ان کے حوصلے بلند رہے اور وہ ہر طرح کی مزاحمت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

۳۸۔ مراد فتح خیبر ہے جو صلح حدیبیہ کے کچھ ہی دنوں بعد کا یعنی محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔ یہ فتح اللہ کی طرف سے ایک انعام تھا جو بیعت رضوان کرنے والوں پر ہوا۔ ''قریبی فتح'' کی پیشین گوئی ایک یقینی امر تھا اس لئے اسے ماضی کے صیغے میں بیان کیا گیا۔

۳۹۔ اشارہ خیبر وغیرہ میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی طرف ہے۔ اس پیشین گوئی کے مطابق خیبر میں جو اموال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوئے ان میں سونے اور چاندی کا خزانہ، ایک ہزار نیزے، چار سو تلواریں، پانچ سو کمانیں اور سامان جنگ میں منجنیق اور دبابے جیسی نت نئی چیزیں نیز کھیتیاں اور نخلستان شامل ہیں جن میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔ ان کھیتوں اور نخلستانوں کو یہود کے ہاتھ میں اس شرط پر رہنے دیا گیا کہ وہ پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ اس طرح مدینہ کے مسلمانوں کے لئے یہ آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔ (غزوۂ خیبر۔ محمد احمد باشمیل۔ ص ۲۷۰۔۲۷۱) اور خیبر فتح ہوتے ہی فَدَک اور وادی القریٰ بھی فتح ہو گیا جو خیبر کے قریب زرخیز علاقہ تھا۔ اس علاقہ کے یہود سے بھی یہ معاملہ طے پایا کہ وہ پیداوار کا نصف مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ (کتاب مذکور ص ۲۹۷)

۴۰۔ اللہ غالب ہے اس لئے اس کا یہ منصوبہ پورا ہو کر رہے گا اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کا یہ فیصلہ بھی حکمت پر مبنی ہے۔

۴۱۔ یعنی خیبر کے علاوہ دوسرے بہت سے اموال غنیمت بھی تمہیں حاصل ہوں گے۔ چنانچہ مستقبل قریب میں حُنین میں کثیر مقدار میں مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

۴۲۔ یعنی بیعت رضوان کا فوری ثمرہ تم کو یہ ملا کہ اللہ کی نصرت تمہیں حاصل ہوئی اور تمہارا رعب کفارِ مکہ پر ایسا چھا گیا کہ وہ تم پر ہاتھ اٹھا نہ سکے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔

۴۳۔ یعنی ایک ایسے موقع پر جب کہ مسلمان احرام کی حالت میں ہونے کی وجہ سے جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے اور دشمن کے علاقہ میں داخل ہو چکے تھے کفار مکہ کا مسلمانوں کے خلاف کاروائی نہ کرنا اور صلح پر آمادہ ہونا مسلمانوں کے حق میں اللہ کی نصرت کی واضح نشانی تھی۔

۴۴۔ یعنی اللہ قدم قدم پر تمہاری رہنمائی فرمائے۔

۴۵۔ اشارہ ہے ان بڑی بڑی فتوحات کی طرف جو مستقبل میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی تھیں۔ خاص طور سے فارس اور روم کی فتوحات جن میں زبردست خزانے اور بہ کثرت اموال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

۴۶۔ یعنی اگر مکہ میں داخل ہونے کے لئے جنگ کی نوبت آجاتی تو اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی اور کفارِ مکہ کو لازماً شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ اس لئے کہ اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ سامان جنگ نہیں تھا، لیکن جب وہ اللہ کی راہ میں جاں فروشی کے لئے تیار ہو گئے، تو اللہ کی نصرت کے مقابلہ میں کافروں کو شکست ہی کا سامنا کرنا پڑتا جیسا کہ جنگِ بدر وغیرہ میں ہوا۔

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور
دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام ادیان پر
اس کو غالب کر دے۔ اور (اس پر) اللہ کا
گواہ ہونا کافی ہے۔ (القرآن)

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

۲۳ یہ اللہ کی سنت (قاعدہ) ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے ۴۷ اور اللہ کی سنت میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

۲۴ وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دئے، بعد اس کے کہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا ۴۸ ۔ اور جو کچھ تم کر رہے تھے اسے اللہ دیکھ رہا تھا۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

۲۵ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی روکے رکھا کہ وہ اپنی جگہ (یعنی قربان گاہ) پہنچنے نہ پائیں ۴۹ ۔ اور اگر ایسے مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں (مکہ میں) موجود نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے، اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم انہیں نادانستگی میں کچل دو گے اور ان کے تعلق سے تم پر الزام آئے گا (تو جنگ روکی نہ جاتی۔ روکی اس لئے گئی)، تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے ۵۰ ۔ اگر وہ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ان (مکہ والوں) میں سے جنہوں نے کفر کیا دردناک سزا دیتے۔ ۵۱

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

۲۶ جب کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت پیدا کی ۔۔۔ جاہلیت کی حمیت ۵۲ ۔۔۔ تو اللہ نے اپنے رسول اور مؤمنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی ۵۳ ، اور ان کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا اور وہ اس کے حقدار اور اہل تھے ۵۴ ۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

۲۷ اللہ نے اپنے رسول کو سچی رؤیا (خواب) دکھائی تھی جو حق پر مبنی تھی۔ انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈاتے اور بال کتراتے ہوئے، تمہیں کوئی ڈر نہ ہوگا ۵۵ ۔ تو اس نے جانی وہ بات جو تم نے نہیں جانی ۵۶ ۔ لہٰذا اس نے اس سے پہلے تم کو ایک قریبی فتح عطا کی۔ ۵۷

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

۲۸ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر اس کو غالب کر دے ۵۸ ۔ اور (اس پر) اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔

۴۷ ۔ اللہ کی سنت یعنی اس کا طریقہ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب رسول کو بنفسِ نفیس میدان جنگ میں اترنا پڑتا ہے تو یہ جنگ حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر اللہ کی نصرت ہمیشہ اس کے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ سورۂ روم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلاً اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

''ہم نے تم سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے تھے اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے جرم کیا اور ہم پر لازم تھی مؤمنوں کی نصرت۔'' (روم: ۴۷)

۴۸ ۔ یعنی حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کے بعد تمہاری پوزیشن کافی مضبوط ہوگئی تھی اور کفارِ مکہ کے حوصلے پست ہوگئے تھے۔ تاہم جنگ دونوں کے لئے کچھ ناگزیر سی ہوگئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت متقاضی تھی کہ جنگ نہ ہو اس لئے اس نے فریقین کو مزاحمت سے روک دیا اور مصالحت پر آمادہ کیا۔

مزاحمت سے روکنے کی ایک صورت یہ بھی پیش آئی کہ کافروں کا ایک گروہ جس کی تعداد اَسّی (۸۰) تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے تنعیم کی پہاڑی سے صبح کی نماز کے وقت اتر آیا۔ صحابہ کرام نے ان کو پکڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ چونکہ اس موقع پر جنگ کو ٹالنا چاہتے تھے اس لئے ان کو رہا کر دیا۔ (دیکھئے ترمذی تفسیر سورۃ الفتح)

۴۹ ۔ یہ کفار کی ہٹ دھرمی تھی کہ قربانی کے جانوروں کو بھی جن کا وہ بڑا احترام کرتے تھے قربان گاہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

۵۰ ۔ یہاں وہ عظیم مصلحت بیان کی گئی ہے جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جنگ نہ ہونے دی اور صلح حدیبیہ کا معاملہ طے پایا۔ وہ یہ کہ مکہ میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود تھیں جن کو صحابۂ کرام نہیں جانتے تھے، اس لئے ان کے جنگ کی زد میں آنے اور پامال ہونے کا اندیشہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی بدولت ان پر رحم فرمایا اور جنگ کی نوبت آنے نہ دی۔ اگر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں پامال ہوتے تو یہ بات خود مسلمانوں کو ناگوار ہوتی اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ جو جنگ رسول کی قیادت میں لڑی گئی اس میں بھی مسلمانوں نے اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹ دیا۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کافروں کی آبادی پر حملہ کرنا پڑے تو وہاں جو مسلمان موجود ہوں ان کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرنا چاہئے! لیکن اگر جنگ ناگزیر ہو اور اس آبادی کے مسلمانوں کو بچایا نہ جا سکتا ہو تو ان کی وجہ سے جنگ کو ٹالا نہیں جا سکتا! ورنہ کافروں کو مسلمانوں پر مسلط ہونے کا موقع ملے گا۔ حدیبیہ میں اللہ کی تدبیر سے جنگ ٹل گئی ورنہ بیعت رضوان اسی لئے کی گئی تھی کہ اگر جنگ کی نوبت آتی ہے تو مسلمان پیٹھ نہیں پھیریں گے۔

صلح حدیبیہ کی یہ مصلحت اللہ تعالیٰ نے بعد میں ظاہر فرمائی، اور صحابۂ کرام نے رسول کے حکم کی تعمیل تو اس مصلحت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی کی تھی۔ اگرچہ وہ اس صلح کو ناگوار خیال کر رہے تھے اور اس کی تلخیوں ہی کو دور کرنے کیلئے ان پر مصلحت واضح کر دی گئی اور ان کو کئی بشارتیں سنائی گئیں۔ واضح ہوا کہ حکم کی تعمیل مصلحت جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم اطاعت کے لئے کافی ہے خواہ اس کی مصلحت ظاہر ہو یا نہ ہو۔ صحابۂ کرام کا یہی طریقہ تھا جس کی بنا پر ان کو توفیق پر توفیق عطا ہوتی رہی اور اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔۔۔۔۔ موجودہ دور کا مسلمان پہلے مصلحت جاننا چاہتا ہے اس کے بعد تعمیل کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ یہ بڑی غلط ذہنیت ہے جو اطاعت شعاری کے خلاف ہے۔

۵۱ ۔ یعنی جو مسلمان مکہ میں موجود تھے وہ اگر کافروں کی آبادی سے الگ ہو گئے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ ہوتی کہ مسلمان مکہ میں بزور داخل ہوں اور پھر ان کے ہاتھوں کافروں کی سرکوبی کی جاتی۔

۵۲ ۔ کفار مکہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر محض عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں جو خالص دینی عمل تھا اور جس کا احترام وہ خود بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن جاہلیت کے جذبات کا ان پر ایسا غلبہ ہوا کہ ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور انہوں نے اس بات میں عار محسوس کی کہ

مسلمانوں کی یہ جمعیت ان کے شہر میں داخل ہو، اس لئے انہوں نے محض اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر مسلمانوں کو روکنا چاہا اور جب صلح کے لئے مجبور ہوئے تو اس شرط پر ان کا اصرار رہا کہ مسلمان اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال آ کر عمرہ ادا کریں۔ پھر انہوں نے صلح نامہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنے پر بھی اعتراض کیا کہ رحمٰن کون ہے ہم نہیں جانتے بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ (تیرے نام سے اے اللہ) لکھو۔ یہی ان کی حمیت جاہلیہ تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔

۵۳ ۔ یعنی سکون واطمینان کی ایسی کیفیت کہ وہ ناسازگار حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔

۵۴ ۔ کلمۃ التقویٰ (تقویٰ کی بات) کا پابند رکھا، کا مطلب یہ ہے کہ ان نازک لمحات میں ان کو یہ توفیق عطا ہوئی کہ وہ کوئی بات بھی تقویٰ کے خلاف نہ کریں۔ انہوں نے جس طرح بیعت رضوان کی اور صلح حدیبیہ کو ناگوار خیال کرنے کے باوجود رسول کے حکم کی اطاعت کی وہ اس کا واضح ثبوت ہے۔

اور مزید یہ کہ جب انہیں عمرہ ادا کئے بغیر حدیبیہ سے لوٹنا پڑا تو انہوں نے نہ رسول کے خواب کو غلط ٹھہرایا اور نہ اس پر کوئی اعتراض کیا۔ اگر کوئی سوال کیا تو محض وضاحت کے لئے۔ اس طرح ان کی زبان سے تقویٰ ہی کی باتیں نکلیں۔ اور یہ توفیق انہیں اس لئے عطا ہوئی کہ وہ اپنے مخلصانہ ایمان کی بنا پر اس کے مستحق تھے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دیکر انہوں نے اپنے آپ کو تقویٰ کا اہل ثابت کر دیا تھا۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ کلمۃ التقویٰ سے مُراد لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) ہے لیکن ترمذی نے خود صراحت کی ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (اس لئے صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی) تاہم یہ بات اس لحاظ سے صحیح ہے کہ تقویٰ کی بنیاد **لا الٰہ الا اللہ** ہے اس لئے کلمۂ تقویٰ اصلاً **لا اِلٰہ الا اللہ** ہی ہے۔

۵۵ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے۔ اس خواب کو ہی اشارۂ الٰہی سمجھ کر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے نکل پڑے تھے۔ لیکن حُدیبیہ سے جب عمرہ کئے بغیر لوٹنا پڑا تو صحابہ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے پھر عمرہ کئے بغیر ہم کس طرح لوٹ رہے ہیں؟ اسی کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ یہ رؤیا (خواب) اللہ کی طرف سے تھی جو بالکل سچی اور حق پر مبنی تھی اس لئے یہ لازماً پوری ہو کر رہے گی۔ تم لوگ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ کسی قسم کا خوف وخطر نہیں ہوگا۔ تم احرام کی حالت میں ہو گے اور اطمینان سے مناسک ادا کرو گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ یہ سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ کب کہا تھا کہ امسال تم مکہ میں داخل ہو گے۔ تم مکہ میں داخل ضرور ہو گے۔ اور طواف بھی کرو گے۔ (بخاری کتاب الشروط) یہ خواب دوسرے سال پورا ہوا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۷ھ میں صحابہ کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا جسے "**عمرۃُ القضا**" کہتے ہیں۔ اس موقع پر کفارِ مکہ نے تین دن کے لئے شہر خالی کر دیا تھا اس لئے مسلمانوں نے امن واطمینان کے ساتھ عمرہ کے تمام مناسک ادا کئے۔ اس طرح خواب بھی سچا ہوا اور قرآن کی صداقت بھی ظاہر ہوئی۔

عمرہ کا احرام جب اتارا جاتا ہے تو سر کے بال منڈھائے یا ترشوائے جاتے ہیں اور آیت میں اس کے ذکر سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ تم مسجد حرام میں احرام کی حالت میں داخل ہو گے اور بہ اطمینان عمرہ کے تمام مناسک ادا کر کے احرام اتارو گے۔

عمرہ اور حج کا احرام اتارتے وقت سر کے بال منڈانا بھی جائز ہے اور کتروانا بھی، لیکن منڈوانا افضل ہے۔

۵۶ ۔ یعنی تم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بغیر جنگ کئے تم امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گے، لیکن اللہ کو یہ معلوم تھا اسلئے اس نے تم کو پیشگی اس کی خبر دی۔ اسی طرح وہ مصلحت بھی جس کا ذکر اس سے پہلے ہوا تم نہیں جانتے تھے مگر اللہ جانتا تھا اسلئے اس نے جنگ کی نوبت آنے نہیں دی اور عمرہ آئندہ سال کیلئے مقدر کر دیا۔

۵۷ ۔ مراد صلح حدیبیہ ہے جو عمرہ کی ادائیگی سے پہلے ایک فوری فتح بن گئی کیوں کہ اس ناجنگ معاہدہ نے پورے عرب میں اشاعت اسلام کی راہ کھول دی نیز یہ فتح مکہ کا دیباچہ بن گئی۔

۵۸ ۔ اس کی تشریح سورۂ توبہ نوٹ ۶۵ ۔ میں گزر چکی جو اس موقع پر بھی پیش نظر رہے۔ وہاں ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ لِيُظْهِرَهُ (تا کہ اس کو غالب کر دے) کا فاعل اللہ ہے نہ کہ رسول۔ اس کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال یہاں پیش کئے جاتے ہیں ابن جریر طبری فرماتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد تمہارا رب اپنے کو گواہ کر کے فرماتا ہے کہ وہ اس دین کو جس کے ساتھ تمہیں مبعوث کیا ہے غالب کرے گا۔'' پھر اس کی تائید میں حضرت حسن کا قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۲۹ ص ۶۹)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ انہیں شہروں پر فتح عطا کرے گا اور ممالک پر ایسا تسلط بخشے گا کہ فتح مکہ کو وہ کمتر خیال کرنے لگیں گے۔'' (الکشاف ج ۳ ص ۵۵۰)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔

''یعنی اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے اس اظہار (غلبہ) پر جس کا اس نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے۔'' (فتح القدیر ج ۵ ص ۵۵)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:۔

''اور یہ قول کسی شخصِ واحد کا نہیں ہے۔۔۔۔ اور غالباً اپنے محل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہے۔۔۔ کہ دین کو ادیان پر غالب کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ (یعنی اللہ) مسلمانوں کو تمام اہل ادیان پر اقتدار عطا کرے گا (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۲۲) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ''اظہار دین'' کو اللہ کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَوَاللّٰهِ لَا أَزَالُ أُجَاهِدُ عَلَى الَّذِي بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ حَتَّى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۷)

''اللہ کی قسم جس (دین) کو دے کر مجھے اللہ نے بھیجا ہے اس کے لئے میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے۔''

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

۲۹ محمد اللہ کے رسول ہیں ۵۹؎۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں ۶۰؎۔ تم انہیں رکوع اور سجدے کی حالت میں پاؤ گے ۶۱؎۔ (اور دیکھو گے کہ) وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں سرگرم ہیں ۶۲؎۔ ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے ۶۳؎۔ ان کی یہ صفت تورات میں بیان ہوئی ہے ۶۴؎۔ اور انجیل میں ان کی مثال اس طرح بیان ہوئی ہے، جیسے کھیتی جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی پھر وہ موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہوگئی ۶۵؎۔ وہ کاشت کاروں کو خوش کرتی ہے تاکہ کفار اُن سے جلیں ۶۶؎۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ۶۷؎

۵۹ ۔ یعنی کوئی مانے یا نہ مانے اللہ کی شہادت یہ ہے کہ محمد اس کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اسلام کے کلمہ کا دوسرا جز ہے۔ پورا کلمہ اس طرح ہے:۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ''اللہ کے سوا کوئی الٰہ (خدا معبود) نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

۶۰ ۔ ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں اس لئے دونوں کے درمیان مستقل طور پر کشمکش برپا رہتی ہے اور یہ کشمکش جنگ کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے، اس لئے اہل ایمان کافروں کے لئے نرم چارہ نہیں ہو سکتے۔ وہ ان کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان بن جاتے ہیں اور جب معرکہ آرائی ہوتی ہے تو پوری قوت ان کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور ان کی سرکوبی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

واضح رہے کہ کافروں پر سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عام حالات میں ان سے درشت لہجہ سے بات کی جائے یا دنیوی امور میں ان کے ساتھ بھلائی نہ کی جائے یا ان کے ساتھ بداخلاقی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان سے بحیثیت انسان کے اچھا سلوک کیا جائے خواہ وہ کسی عقیدہ و مذہب کا پیرو ہو۔

اور مسلمانوں کا آپس میں رحم دل ہونا تو ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے حق میں سخت گیر نہیں بلکہ نرم خو مہربان اور شفیق ہوتے ہیں۔ حدیث میں ان کے باہمی تعلق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَتَرَاحُمِھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی مِنْہُ عُضْوٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھْرِ وَالْحُمّٰی۔

''مؤمن آپس کی محبت و رحم دلی اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں ایسے ہیں جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (مسلم کتاب البر)

۶۱ ۔ یہ تعبیر ہے پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی۔ دن میں پانچ وقت کی نماز کا اہتمام دیکھنے والے پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ یہ رکوع اور سجدے ہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا نماز سے یہ لگاؤ ایک امتیازی وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔

۶۲ ۔ یعنی ان کی ساری دوڑ دھوپ اللہ کے فضل کی تلاش میں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ وہ قدم قدم پر اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں کہ وہ ان پر مہربان ہو اور اپنی بخششوں سے انہیں نوازے۔ اور ان کی آخری غایت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہو۔

۶۳ ۔ مراد وہ نشان ہے جو کثرت سجود سے پیشانی پر پڑتا ہے نیز خشوع کا وہ اثر بھی جو چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کے چہرے ان کے باطن کی عکاسی کرتے ہیں کہ یہ سچے خدا پرست لوگ ہیں۔

۶۴ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ پہچان تورات میں بھی بیان ہوئی ہے جیسا کہ قرآن صراحت کرتا ہے، لیکن موجودہ تورات سے یہ مضمون غائب ہے۔ اور یہ مضمون ہی نہیں نبی امّی سے متعلق دوسری کتنی ہی پیشین گوئیاں جس کے تورات میں موجود ہونے کی قرآن صراحت کرتا ہے، موجودہ تورات ان کے ذکر سے خالی ہے۔ بجز دو تین پیشین گوئیوں کے جن کے ترجمہ میں بھی تحریف کر دی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تورات کے جو نسخے نزولِ قرآن کے وقت مدینہ کے یہود کے پاس موجود تھے جن کے پیش نظر قرآن نے تورات کے جا بجا حوالے دئے ہیں وہ نسخے اب باقی نہیں رہے۔ جو نسخے اب دستیاب ہیں ان میں بڑا خلا محسوس ہوتا ہے آخرت اور نماز کے ذکر کے اعتبار سے بھی اور نبی اُمّی سے متعلق پیشین گوئیوں کے اعتبار سے بھی۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتنی ہی باتیں تورات سے حذف کر دی گئیں، کتنی ہی باتوں میں تحریف کر دی گئی اور کتنے ہی الفاظ کا غلط ترجمہ کر دیا گیا تا کہ اصل حقیقت پر پردہ پڑا رہے۔

۶۵ ۔ انجیل کے موجودہ نسخوں میں یہ مضمون اس شکل میں موجود ہے:۔

’’ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔‘‘ (متی ۱۳: ۳۱، ۳۲)

آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تعداد میں روز افزوں اضافہ، ان کی جمعیت کے استحکام اور اسلام کے تدریجی ارتقاء اور غلبہ کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

۶۶ ۔ یعنی جنہوں نے اس کھیتی (اسلام) کی کاشت کی اور اس کی آبیاری کرتے رہے، وہ یہ دیکھ کر کہ کھیتی بہار پر آ گئی ہے خوشی سے جھوم اٹھے لیکن کافروں کو اسلام کا پھلنا پھولنا ناگوار ہوا اور مسلمانوں کو خوش ہوتا ہوا دیکھ کر ان پر برہم ہوئے اور ان سے جلنے لگے۔

۶۷ ۔ یعنی مسلمانوں کے گروہ میں جو لوگ اپنے ایمان میں مخلص اور کردار کے لحاظ سے نیک ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور انہیں بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔ رہے نام نہاد مسلمان تو ان کے لئے یہ خوشخبری نہیں ہے۔

۴۹۔ الحُجُرات

نام آیت ۴ میں حُجُرات (حجروں) کے باہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے پر گرفت کی گئی ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "الحُجُرات" ہے۔

زمانۂ نزول یہ سورہ مدینہ میں ۹ھ میں نازل ہوئی جب عرب کے مختلف گوشوں سے وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

مرکزی مضمون ان آداب و اخلاق کی تعلیم جو ایمان کا تقاضا ہیں، اور اسلامی معاشرہ (سماج) کو صحت مند رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۵ میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اہل ایمان اپنی بات پیش کرنے میں، اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھیں۔ اور رسول کے ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھیں۔

آیت ۶ تا ۱۰ میں اسلامی اخوت کو نقصان پہنچانے والی باتوں سے احتراز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور تحقیق اور عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

آیت ۱۱ اور ۱۲ میں ان اخلاقی بُرائیوں سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے، جو آپس میں نفرت پیدا کرتی اور فساد کا موجب بنتی ہیں۔

آیت ۱۳ میں قومی اور نسلی برتری پر ضرب لگاتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ تمام قوموں اور قبیلوں کا رشتہ، ایک ہی مرد و عورت (آدم و حوا) سے جا ملتا ہے، اس لئے قومی اور نسلی فخر کے لئے کوئی بنیاد نہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان اصلاً امتیاز کرنے والی چیز تقویٰ ہے۔

آیت ۱۴ تا ۱۸ میں ان مسلمانوں پر گرفت ہے جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ لیکن ایمان ابھی ان کے دل میں اترا نہیں ہے۔ ان پر واضح کیا گیا ہے کہ صحیح ایمان وہ ہے جس میں شک کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اور سچا مؤمن وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔

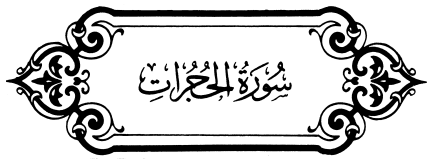

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ
اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②
اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③
اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ④
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ
تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ
لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦

۴۹۔ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ

آیات: ۱۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ اے لوگو جوایمان لائے ہو! اللہ اوراس کے رسول سے آگے نہ بڑھو
۱؎ ،اوراللہ سے ڈرو ۲؎۔ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۳؎
۲ اے ایمان لانے والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ
کرو۔ ۴؎ اور نہ اس سے اس طرح اونچی آواز سے بولو جس طرح
آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو ۵؎۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ
تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اورتمہیں خبر بھی نہ ہو۔ ۶؎
۳ جولوگ اللہ کے رسول کے آگے اپنی آواز پست رکھتے ہیں، وہی
ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کرلیا ہے ۷؎۔ ان
کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔
۴ (اے نبی!) جولوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان
میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ ۸؎
۵ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم ان کے پاس آجاتے تو ان کے
لئے بہتر تھا۔ اور اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۹؎
۶ اے لوگو جوایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر
لائے تو تحقیق کرلیا کرو ۱۰؎۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کے خلاف
نادانستہ کوئی کاروائی کربیٹھو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔ ۱۱؎
۷ جان رکھو کہ اللہ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے۔ اگر بہت
سے معاملات میں وہ تمہاری بات مان لیا کرے تو تم تکلیف میں
پڑجاؤ ۱۲؎۔ لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنایا اور اس کو
تمہارے دلوں میں کھبا دیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے لئے
باعثِ نفرت بنایا یہی لوگ راست رو ہیں، ۱۳؎

۱۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً یہ کہ اپنے فیصلہ کو ان کے فیصلہ پر اور اپنی بات کو ان کی بات پر مقدم رکھا جائے، جو معاملہ درپیش ہو اس میں یہ دیکھے بغیر کہ شریعت کیا کہتی ہے اظہار رائے اور عملی اقدام کیا جائے، کتاب وسنت کی باتوں پر دوسروں کی باتوں کو مثلاً بزرگوں یا علماء یا فقہاء کے اقوال کو ترجیح دی جائے، یہ تمام صورتیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اتباعِ رسول کے منافی ہیں۔

۲۔ یعنی یہ ایسی بات ہے جو تقویٰ کے سراسر خلاف ہے لہٰذا تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔

۳۔ لہٰذا خوب سمجھ لو کہ وہ تمہاری باتیں سنتا ہے اور تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے۔

۴۔ نبی کا مقام بہت بلند ہے اس لئے اس کا زیادہ سے زیادہ ادب اور احترام کرنا چاہئے۔ نبی کی مجلس کے لئے یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز کو پست رکھیں۔ آج اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس موجود نہیں ہے لیکن آپ کے ارشادات موجود ہیں ان کو بلند رکھنا اور ان کے مقابلہ میں کوئی آواز بلند نہ کرنا اس آیت کا عین منشاء ہے۔

۵۔ یعنی نبی کو اس طرح خطاب نہ کرو جس طرح آپس میں خطاب کرتے ہو۔ ادب کا تقاضا ہے کہ آپ کو یا محمد کہہ کر مخاطب نہ کیا جائے بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب کیا جائے نیز گفتگو میں آپ کے وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔

۶۔ یہ سخت تنبیہ ہے ان لوگوں کو جو نبی کے مقام کا لحاظ نہیں کرتے اور خلافِ ادب حرکتیں کر گزرتے ہیں۔ نبی کے ساتھ ناشائستہ طرزِ عمل دل کی بہت بڑی بیماری کو ظاہر کرتا ہے اور وہ ہے تقویٰ کی کمی، جس کا اگر بروقت علاج نہیں کیا گیا تو دلوں سے تقویٰ رخصت ہوسکتا ہے اور جب تقویٰ ہی باقی نہ رہا تو ان اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ جاتی جو بظاہر نیک ہوں۔ نیکی کا کوئی کام اسی صورت میں نیکی ہے جب کہ اس کی تہ میں تقویٰ ۔۔۔ اللہ کی عظمت کے تصور سے اس کا خوف اور اس کی نافرمانی سے بچنے کا جذبہ۔۔۔ موجود ہو۔ آگے کی آیت سے خود اس کی وضاحت ہو رہی ہے۔

ان آیتوں کے نزول کے بعد صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اپنی آوازیں بہت زیادہ پست کر لی تھیں یہاں تک کہ آپ کو پوچھنا پڑتا تھا کہ کہنے والے نے کیا کہا۔ اور جن کی آواز قدرتی طور سے اونچی تھی وہ گھبرا گئے کہ کہیں ان کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ بخاری کی روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ثابت بن قیس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کا حال دریافت کرنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ جب ان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ ثابت بن قیس اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا بہت بُرا حال ہے کیوں کہ جو شخص اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی کر دیتا ہے اس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ دوزخ والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور ان سے کہو تم جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہو۔ (بخاری کتاب التفسیر)

۷۔ واضح ہوا کہ رسول کے پاس آواز کو پست رکھنے اور اس کا ادب واحترام کرنے کا تعلق دل کے تقویٰ سے ہے۔ ان ظاہری آداب کا قلب و ذہن پر گہرا اثر پڑتا ہے اور اس سے تقویٰ کی پرورش ہوتی ہے۔ اگر تقویٰ ان ظاہری آداب کیلئے محرک کی حیثیت رکھتا ہے تو یہ آداب تقویٰ کی تقویت کا باعث بن جاتے ہیں۔

۸۔ بدو عرب میں شائستگی کی بڑی کمی تھی نبی ﷺ سے ملاقات کیلئے آتے تو آپ کو مسجد نبوی میں موجود نہ پا کر آپ کے گھر کے باہر سے جو حجروں (کمروں) پر مشتمل تھا آواز دینے لگتے۔ ان کا یہ طریقہ ادب واحترام کے خلاف تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ انہوں نے ابھی رسول کے مقام کو نہیں پہچانا ہے۔ رسول کا مقام عام لوگوں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا جو عام طور سے لوگوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے اور دروازے کے باہر سے آواز دینا یوں بھی شائستہ طریقہ نہیں ہے، کجا یہ کہ یہ طریقہ رسول کے معاملہ میں اختیار کیا جائے۔ اس کی نامعقولیت بالکل واضح ہے۔

اور جب حجروں کے باہر سے آپ کو آواز دینا نامعقولیت ہے تو قبر کے باہر سے آپ کو پکارنا، تاکہ فریادرسی کے لئے آپ پہنچ جائیں سراسر حماقت ہے۔ البتہ درود وسلام آپ پر ہر جگہ سے بھیجا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے جس کی تعلیم آپ نے دی۔

۹۔ لہٰذا اپنے قصور پر اللہ سے معافی مانگو اور اس سے رحم کی درخواست کرو۔

۱۰۔ فاسق سے مراد ایسا شخص ہے جو اللہ کا نافرمان اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ ایسے شخص کی کسی خبر پر جو اہمیت کی حامل ہو بلاتحقیق قبول کرنے اور اس پر اعتماد کر کے کسی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ فاسق کی خبر جھوٹی ہوسکتی ہے اور جھوٹی خبر پر اعتماد کرنے کے اثرات ونتائج بُرے ہی ہوسکتے ہیں۔

یہ ہدایت نیز آگے کی ہدایات ایسے موقع پر دی گئیں جبکہ مسلم سوسائٹی میں ایسے لوگ داخل ہو رہے تھے جنہوں نے شعوری طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا اور جو اپنے کردار کے لحاظ سے بھی لائقِ اعتماد نہیں ہوسکتے تھے۔ پھر قبائلی رقابت کی وجہ سے بھی ان لوگوں سے اندیشہ تھا کہ وہ غیر ذمہ دارانہ باتیں کر کے آپس میں چپقلش نہ پیدا کریں۔ گویا یہ ہدایات حفظ ماتقدم کے طور پر تھیں اور اس میں ان حالات کے لئے رہنمائی بھی تھی جو امت کو آئندہ پیش آنے والے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں ان کے خلاف سبائیوں نے جو جھوٹی خبریں پھیلائیں اور ان پر اعتماد کر کے لوگ جس فتنہ کا شکار ہوئے وہ قرآن کی ان ہدایات کو جن میں مستقبل کی خانہ جنگی کی طرف اشارات تھے نظر انداز کرنے کا نتیجہ تھا۔

ان آیات کا اصل محلِ کلام یہی ہے۔ رہیں وہ روایتیں جو شانِ نزول کے طور پر بیان ہوئی ہے تو ان کے بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ عام طور سے مفسرین اس آیت کے شانِ نزول میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی المصطلق کی طرف ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ ڈر گئے اور راستہ ہی میں سے واپس ہوگئے اور آکر عرض کیا یا رسول اللہ (قبیلہ کے سردار) حارث نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قتل کے درپے ہوگئے۔ اس پر آپ برہم ہوئے اور کچھ لوگوں کو حارث کی طرف بھیجا مگر مدینہ سے قریب ہی حارث انہیں مل گئے اور انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جس شخص کو آپ نے بھیجا تھا اس کو نہ میں نے دیکھا اور نہ وہ میرے پاس آیا۔ اس پر سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن جریر کی روایت میں ہے کہ بنی المصطلق کے لوگ ولید بن عقبہ کے استقبال کے لئے باہر نکل آئے تھے مگر انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ ان کے قتل کے ارادے سے نکلے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۹)

اولاً تو اس روایت کے متن میں بڑا اضطراب ہے۔

ثانیاً اس روایت کو امام احمد وغیرہ نے محمد بن سابق سے نقل کیا ہے جن کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۷۵)

ثالثاً ابن جریر طبری نے اس کی جو اسناد بیان کی ہیں اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کو ترمذی، نسائی اور علی بن المدینی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۳۵۶، ۳۵۸)

رابعاً اس روایت کے پیشِ نظر ولید بن عقبہ فاسق قرار پاتے ہیں حالانکہ ان کے فاسق ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے اور یہ کس طرح ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک فاسق شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیں؟

خامساً یہ بات بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاسق کی خبر پر اعتماد کر لیا تھا۔ اسناد اور روایت کی ان خرابیوں کے پیشِ نظر یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

اس آیت سے روایتوں کے بارے میں شریعت کا یہ قاعدہ بھی متعین ہوتا ہے کہ فاسق کی روایت کو بلاتحقیق قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے محدثین نے

حدیث کی صحت کے لئے راویوں کا ثقہ (معتمد) اور عادل ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ رہی عقیدہ کی گمراہی تو وہ عملی فسق سے بڑھ کر ہے اسلئے جو لوگ دین میں تفرقہ ڈالنے والے اور بدعت کی راہ اختیار کرنیوالے ہوں ان کی روایتیں قبول نہیں کی جاسکتیں اور وہ ہرگز حجت نہیں ہیں۔ مشہور تابعی ابن سیرین نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ:

اِنَّ ھٰذَا الْحَدِیثَ دِیْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ ۱۶۲)

''یہ حدیثیں دین ہیں تو دیکھو کہ تم کن لوگوں سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔''

اور یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ محدثین کے ایک گروہ نے اس معاملہ میں تساہل سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی کتابوں میں بہ کثرت ایسی روایتیں شامل ہوگئیں جن کے راوی شیعیت اور بدعت میں مبتلا تھے اور جنہوں نے واقعات کو غلط رنگ میں پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جن کی نسبت آپ کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی تھی۔ ان روایتوں نے دین کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا اسلئے اس معاملہ میں نرمی نہیں برتی جاسکتی۔

۱۱؎ یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی غلط خبر پر اعتماد کر کے مسلمانوں کے کسی گروہ کے خلاف کوئی کارروائی کر بیٹھو اور بعد میں جب اصل صورتِ حال سامنے آئے تو پچھتانے لگو، اس لئے پہلے ہی تحقیق کر لیا کرو۔

۱۲؎ یعنی اللہ کا رسول جب تمہارے درمیان رہنمائی کے لئے موجود ہے تو تم کیوں اپنی رائے پر اصرار کرنے لگو۔ تمہاری نظر ان مصلحتوں پر نہیں ہوسکتی جن مصلحتوں پر رسول کی دوررس نگاہیں ہوتی ہیں اس لئے اگر رسول تمہاری بہت سی باتوں کو قبول کر لے تو خلافِ مصلحت ہونے کی بنا پر تمہیں نقصان پہنچے گا۔

۱۳؎ یہ ہیں سچے مؤمنوں کی باطنی خصوصیات جو انہیں راست رو بنا دیتی ہیں یعنی ایمان کا ان کی نظروں میں محبوب بن جانا، دلوں میں اس کا رچ بس جانا اور کفر و فسق اور معصیت سے ان کا متنفر ہونا۔ یہ باطنی خصوصیات ان مسلمانوں کی نہیں ہوسکتیں جو کسی مصلحت سے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہوں یا اسلام سے جن کا تعلق محض رسمی نوعیت کا ہو۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

۸ اللہ کے فضل اور احسان سے ۱۴؎ ۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

۹ اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ ۱۵؎ ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۶؎

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰

۱۰ مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۷؎، تو اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱

۱۱ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں ۱۸؎ ۔ اور نہ آپس میں طعن کرو ۱۹؎، اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو ۲۰؎ ۔ ایمان کے بعد فسق بہت بُرا نام ہے ۲۱؎ ۔ اور جو لوگ توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ ۲۲؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

۱۲ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمانوں سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں ۲۳؎ ۔ اور ٹوہ میں نہ لگو ۲۴؎ ۔ اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے ۲۵؎ ۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تمہیں تو اس سے گھِن ہی آئے گی ۲۶؎ ۔ اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۲۷؎

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳

۱۳ لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو ۲۸؎ ۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے ۲۹؎ ۔ بلاشبہ اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔ ۳۰؎

۱۴؎ یعنی یہ ایمانی خصوصیات جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا جن لوگوں کے اندر پائی گئیں انہیں اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ یہ متاع عزیز انہیں اسی کے فضل وکرم سے حاصل ہوئی۔

۱۵؎ اس ہدایت کا بھی یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس وقت کوئی جنگ چھڑ گئی تھی اس لئے صلح کرا دینے کا حکم دیا گیا، بلکہ جیسا کہ ہم اوپر نوٹ ۱۰؎ میں واضح کر چکے ہیں، پیش آمدہ حالات میں محتاط رہنے کے لئے تھی۔ نیز مستقبل قریب میں حالات جو رخ اختیار کرنے والے تھے اور مسلمانوں کے درمیان جو فتنے برپا ہونے والے تھے ان کے تعلق سے پیشگی انتباہ بھی تھا اور ان حالات میں رہنمائی کا سامان بھی۔

۱۶؎ اس آیت میں مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور ان کے درمیان برپا ہونے والے قتل وقتال کو روکنے کے لئے نہایت اہم ہدایات ہیں جن سے کئی باتوں پر روشنی پڑتی ہے:

ایک یہ کہ شدید غلط فہمی یا کسی سازش وغیرہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جنگ کی نوبت آسکتی ہے، لیکن اس بنا پر کسی گروہ کو کافر قرار دینا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ اس آیت میں لڑنے والے دونوں گروہوں کا ذکر مؤمنوں کے دو گروہ کی حیثیت سے ہوا ہے۔

دوسری یہ کہ لڑائی کی صورت میں دوسرے مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح کرا دیں اور ایسا کوئی طرز عمل اختیار نہ کریں جس سے جنگ کی آگ اور بھڑک اٹھے۔

تیسری یہ کہ جو گروہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتا اور ظلم وزیادتی کرتا ہے تو اس کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جائے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے، اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے سے مراد صلح کا یہ حکم بھی ہے اور عدل وانصاف کا حکم بھی نیز وہ شرعی حکم بھی جو اس جنگ سے متعلق ہو۔

چوتھی یہ کہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں اس گروہ کے خلاف طاقت کا استعمال ختم کیا جانا چاہئے اور دونوں گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دینی چاہئے۔

پانچویں یہ کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی میں دوسرے مسلمانوں کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو عدل وانصاف سے ہٹی ہوئی ہو یا جس سے جانبداری ظاہر ہوتی ہو۔ انہیں انصاف کی بات بے لاگ طور پر کہنا چاہئے خواہ کوئی فریق ناراض ہو یا خوش، کیوں کہ اللہ کو انصاف کرنیوالے لوگ ہی پسند ہیں۔

یہ احکام مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ مگر موجودہ دور کے مسلمانوں کا حال ایسا ہے کہ اللہ ہی رحم کرے۔ ان کے مختلف گروہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور مسلم ممالک کے درمیان جنگیں برپا ہوتی رہتی ہیں، جس میں ہزاروں اور لاکھوں مسلمان مارے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ یہود کی تاریخ دہرا رہے ہیں جن کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی اور جن کے درمیان ہمیشہ جنگیں برپا رہیں۔

۱۷؎ دینی رشتہ کے اعتبار سے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ رنگ ونسل اور قوم ووطن کا فرق اس عالمگیر برادری میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں ایک دوسرے سے منسلک رہیں گے اور ایک کے درد کی چوٹ دوسرا اپنے اندر محسوس کرے گا خواہ ان کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہو۔ اس رشتہ اخوت کو مضبوط کرنے کی تاکید حدیث میں کی گئی ہے۔

آپ نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَ لَا یُسْلِمُهٗ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (مسلم کتاب البر)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظالم کے حوالہ کرے، جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا رہتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی تکلیف کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''

نیز ان باتوں سے منع فرمایا جو اس رشتہ کو کاٹ دینے والی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ (صحیح البخاری کتاب الادب)

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''

لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِیْ كُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (مشکوٰۃ براویۃ البخاری ومسلم)

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

۱۸۔ اوپر کی آیت میں دینی اخوت کے رشتہ کو قائم اور درست رکھنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اب ان اخلاقی برائیوں سے بچنے کی ہدایت کی جا رہی ہے جو باہمی تعلقات کو خراب کرنے والی اور بغض وعناد پیدا کرنے والی ہیں۔ ان اخلاقی خرابیوں میں ایک بہت بڑی خرابی ایک دوسرے کا مذاق اڑانا ہے۔ مذاق اڑانے والا دوسرے کی تحقیر کرتا ہے اور یہ بات تقویٰ کے منافی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:۔

اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَ یُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ مُسْلِمٍ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔ (مسلم کتاب البر)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ آدمی کے لئے یہ برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

مذاق ایک آدمی دوسرے آدمی کا بھی اڑاتا ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا بھی اور یہ دونوں صورتیں مذموم ہیں۔ عورتوں میں بھی یہ خصلت بہت زیادہ ہوتی ہے کہ وہ دوسری عورتوں پر ہنستی ہیں اور ان کا مذاق اڑاتی ہیں، اس لئے عورتوں کو بھی خاص طور سے تاکید کی گئی کہ وہ اس سے باز رہیں۔ مذاق اڑانے والا جس کا مذاق اڑاتا ہے اس سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے مگر ہو سکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو، اس لئے یہ ذہنیت ہی غلط ہے کہ آدمی اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر خیال کرے۔

۱۹۔ طعنہ زنی دلوں کو زخمی کرتی ہے اس لئے زبان کو طنز وتشنیع سے پاک رکھنا چاہئے۔ کسی کی ذات پر حملہ کرنا اس پر فقرے چست کرنا اور اس کو ملامت کا نشانہ بنانا سخت اذیت دہ بات ہے اور اس سے باہمی تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں۔

۲۰۔ دوسروں کے لئے بُرے لقب تجویز کرنا اور بُرے ناموں سے انہیں پکارنا اور یاد کرنا بڑی بداخلاقی کی بات ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا برا نام رکھتا ہے وہ اس کی عزت کو پامال کرتا ہے اس لئے اس کو معمولی گناہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

اس ہدایت سے بے پرواہی برتنے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو اور ان کی ایک جماعت دوسری جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ توحید خالص کے قائل ہوتے ہیں اور واسطہ وسیلہ، غیر اللہ کیلئے نذر ونیاز، شخصیت پرستی اور قبر پرستی وغیرہ کے مخالف ہوتے ہیں ان کو ''وہابیت'' کا لقب دیا جاتا ہے اور ان کو ۲۴ نمبر کہہ کر پکارا جاتا ہے جو حروف ابجد کے لحاظ سے لفظ ''وہابی'' کا مجموعۂ عدد ہے۔ یہ حرکتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو بدعات میں بُری طرح مبتلا ہوتے ہیں۔ انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ وہ دین کی راہ میں کتنی زبردست

رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔

۲۱۔ یعنی جو شخص دوسروں کے لئے بُرے نام تجویز کرتا ہے وہ ایسا کر کے خود اپنے اوپر بدترین نام چسپاں کر لیتا ہے، کیوں کہ یہ حرکتیں فسق (گناہ اور نافرمانی) ہیں اور جو شخص یہ حرکت کرتا ہے وہ فسق کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بُرے نام سے یاد کرنے والا فسق کا مرتکب ہوتا ہے جو بہت بُرا وصف ہے۔

ان ہدایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں اخلاقی پاکیزگی کی کیا اہمیت ہے اور وہ سوسائٹی میں کیسا ستھرا پن پیدا کرنا چاہتا ہے مگر مسلمانوں کی سوسائٹی میں جب تقویٰ کی بنیادیں کمزور ہو گئیں تو ہجو گوئی شاعروں کا طرۂ امتیاز قرار پایا اور ادب میں کثافت کی کثرت ہو گئی۔ موجودہ دور میں تو صحافت میں وہ کامیاب ہے جو دوسروں کی خوب پگڑی اچھالے، نیک لوگوں کی کردار کشی کرے، ذمہ دار لوگوں کے خلاف بے اعتمادی پھیلائے اور اسکینڈل پیش کرے۔ یہ سب حرکتیں مسلمان دوسرے مسلمانوں اور ان کی جماعتوں وغیرہ کے خلاف کرتے ہیں اور اس معاملہ میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ مسلم صحافت اور غیر مسلم صحافت میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ بہت کم لوگ ہیں جو اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچا رہے ہیں۔

یہ صورتِ حال بھی بڑی افسوسناک ہے کہ مسلمانوں میں گالی دینے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ اور گالیاں بھی ایسی فحش کہ ایک شریف آدمی شرم کے مارے پانی پانی ہو جائے۔ پھر جس کو گالی دی جاتی ہے اس کی ماں اور بہن کو جن کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلا وجہ نشانۂ ملامت بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو مر گئے ہیں ان کی عزت پر بھی حملہ کیا جاتا ہے۔ ایسی شرمناک حرکتیں کرتے ہوئے مسلمانوں کا یہ احساس مردہ ہو جاتا ہے کہ ان کی ان باتوں کو اللہ سن رہا ہے اور ان کا ایک ایک لفظ ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ وہ گالی دے کر صریح فسق اور بے حیائی کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی سزا بڑی سخت ہے۔

۲۲۔ یعنی ان واضح ہدایات کے بعد بھی جو لوگ ان گناہوں سے توبہ نہیں کریں گے اور ان حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے وہ ظالم ہیں اور ظالموں کے لئے اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

آیت کے اس آخری فقرہ میں ہر مسلمان کے لئے توبہ کی ترغیب ہے کہ ان ہدایتوں کے علم میں آنے سے پہلے جو برائیاں ان سے سرزد ہوئی ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔

۲۳۔ ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔ سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے:۔

لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ (نور:۱۲)

''جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیوں نہیں کیا۔''

لیکن مسلمانوں میں بھی سب لوگ اچھے کردار ہی کے نہیں ہوتے بُرے کردار کے بھی ہوتے ہیں اور ان کے شر سے تکلیف اور نقصان بھی پہنچتا ہے، اس لئے خوش گمانی کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی خوش فہمیوں میں رہے بلکہ معقول وجوہ کی بنا پر آدمی کسی کے بارے میں بُرا گمان رکھنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کی وعدہ خلافیوں کو دیکھتے ہوئے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ جو وعدہ وہ مجھ سے کر رہا ہے اس کو وہ پورا نہیں کریگا تو اس کا یہ گمان رکھنا بے بنیاد نہیں ہے اور نہ یہ گناہ کی تعریف میں آتا ہے۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر کے بارے میں جو لاپرواہ ہو یہ خیال کرنا کہ وہ میرا علاج صحیح نہیں کرے گا اور اس وجہ سے اس کی طرف رجوع نہ کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر شریعت گرفت کرتی ہو۔ شریعت کی گرفت اصلاً ان بدگمانیوں پر ہے جن کے لئے کوئی وجہ جواز نہ ہو اور جو باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا کرتے ہوں۔ ایسی بدگمانیوں کو اس آیت میں صریح گناہ کہا گیا ہے اور حدیث میں اسے بدترین جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے:۔

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)

''بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔''

لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جہاں تک ہو سکے بدگمانی سے بچے۔ اس لئے آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ بہت سی بدگمانیوں سے بچو۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ ہر بدگمانی گناہ نہیں لیکن چونکہ بعض بدگمانیاں صریح گناہ ہیں اس لئے کسی کے بارے میں بُرا گمان رکھنے کے معاملہ میں آدمی کو محتاط رہنا چاہئے۔

۲۴۔ یعنی کسی کے عیب اور برائیاں نہ ٹٹولو۔ ایک متقی شخص کی نگاہ اپنی کمزوریوں پر ہوتی ہے اور اسے اپنی نجات کی فکر لاحق ہوتی ہے وہ دوسروں کی برائیوں سے کیوں دلچسپی لینے لگے۔ حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے:۔

وَلَاتَجَسَّسُوا وَلَاتَحَسَّسُوا۔ ''نہ ٹوہ میں لگے رہو اور نہ بھید تلاش کرو۔'' (صحیح البخاری کتاب الادب)

انجیل میں بھی عیب جوئی پر بڑے مؤثر انداز میں نصیحت کی گئی ہے:۔

''عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری عیب جوئی نہ کی جائے۔ کیوں کہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔'' (متی ۷: ۱ تا ۶)

رہا یہ سوال کہ کیا اس ہدایت کے پیشِ نظر اسلامی حکومت کے لئے خفیہ جرائم کا پتہ لگانا جائز نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہدایت ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ہرگز مانع نہیں ہے جو امنِ عامہ کو برقرار رکھنے، منکر کو روکنے اور سوسائٹی میں فساد کے انسداد کے تعلق سے اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہیں۔ ان مقاصد کے لئے سراغ لگانے کے مناسب طریقے اختیار کرنا برائی نہیں بلکہ برائیوں اور جرائم کی روک تھام کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ نہ تخریب کاری کا پتہ چل سکے گا اور نہ سازشوں کا، اور نہ ان خفیہ اڈوں کا، جو اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی سوسائٹی کے لئے زبردست خطرہ کا باعث ہوں۔ یہ تجسس حکومت کے دائرہ کار سے تعلق رکھتا ہے جو یہاں زیر بحث نہیں۔

۲۵۔ غیبت کے معنی پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنے کے ہیں اگرچہ وہ برائی فی الواقع اس میں موجود ہو۔ حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح ہوئی ہے:۔

ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ فِی اَخِی مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَاتَقُوْلُ فَقَدْ بَھَتَّہٗ۔ (مسلم کتاب البر)

''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناگوار ہو۔ کسی نے پوچھا اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی؟ فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو جو تم کہتے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔''

لیکن اگر کسی کی برائی کا ذکر واقعی یا شرعی ضرورت کی بنا پر کرنا پڑے تو اس کو نہ قرآن میں غیبت سے تعبیر کیا گیا ہے اور نہ حدیث میں، اس لئے جن علماء نے غیبت کی جو جائز صورتیں بیان کی ہیں ان سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صورتیں بجائے خود جائز ہیں اور بعض تو وجوب کے درجہ کی ہیں لیکن یہ

کہنا کہ یہ غیبت اور بدگوئی تو ہے مگر جائز ہے اور اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا حرام تو ہے مگر ایسے موقع پر یہ گوشت حلال ہو جاتا ہے، حقیقتِ واقعہ کی بھونڈی تعبیر ہے۔ قرآن کی مستند اور مشہور لغت مفردات راغب میں غیبت کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں:۔

وَالغیبۃُ اَنْ یَذْکُرَ الانسانُ غیرہٗ بما فِیْہِ مِنْ عَیْبٍ مِنْ غَیرِ اَنْ اَحوَجَ الیٰ ذِکْرِہٖ۔ (مفردات ص ۳۷۳)

''غیبت یہ ہے کہ آدمی دوسرے کا ذکر عیب کے ساتھ کرے جب کہ اس کے ذکر کی ضرورت نہ ہو۔''

کسی کے ضرر یا شر سے لوگوں کو بچانے، عدالت میں شہادت پیش کرنے، ظالم کے خلاف آواز اٹھانے، مفسدانہ کارروائیوں اور تخریبی کاموں سے حکومت کو آگاہ کرنے، مجرم کے خلاف رپورٹ لکھوانے، منکر سے روکنے اور کسی کی شر انگیزی کے خلاف احتجاج کرنے، راویوں پر جرح کرنے، مصنفوں اور صحافیوں پر تنقید کرنے، بدعات وخرافات اور گمراہیوں کی اشاعت کو روکنے اور انسداد رشوت ستانی کے لئے متعلقہ افراد کی جن برائیوں، کمزوریوں اور مجرمانہ افعال کا ذکر ضروری ہو ان کو بیان کرنا نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی باتوں پر غیبت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ محدثین جنہوں نے اسماء الرجال کی کتابیں مرتب کیں، غیبت کا دفتر کھول کر نہیں بیٹھے تھے بلکہ حدیثِ رسول کو ساقط الاعتبار روایتوں سے ممتاز کرنے کے لئے یہ قابل قدر خدمت انہوں نے انجام دی۔

۲۶۔ یہ نہایت بلیغ تشبیہ ہے جس سے غیبت کا گھناؤنا پن ظاہر ہوتا ہے اور اس سے سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جو مسلمان کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے تو وہ اس کا دینی بھائی ہے جس کی غیر موجودگی میں وہ اس کی برائی کرتا ہے گویا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی عزت پر حملہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ غیبت کرنے والا دوسروں کے عیوب بیان کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اس لئے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہیں۔ جو شخص غیبت کا عادی ہو اس کو اس گھناؤنے کام کی بہت بری سزا بھگتنا ہوگی۔ حدیث میں اس کی تصویر اس طرح پیش کی گئی ہے:۔

قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ لَمَّا عُرِجَ بِی مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَھُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحاسٍ یَخْمِشُوْنَ وُجُوھَھُمْ وَ صُدُورَھُمْ فَقُلْتُ مَنْ ھٰؤُلاءِ یا جِبْرِیلُ؟ قال ھٰؤُلاءِ الَّذِیْنَ یَاکُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَیَقَعُونَ فِی اَعْرَاضِھِمْ۔ (ریاض الصالحین بروایۃ ابی داؤد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (معراج کے موقع پر) جب مجھے اوپر لے جایا گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں کی طرف ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزت پر حملہ کرتے تھے۔''

آج مسلمانوں کی سوسائٹی میں غیبت عام ہے۔ گھروں میں عورتوں کا موضوع خاص طور سے دوسروں کی غیبت ہی ہوتا ہے اور مرد اپنی مجلسوں میں بلا وجہ دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں اور ان باتوں پر غیر ذمہ دارانہ انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ مگر قرآن کی ان تنبیہات کے پیش نظر ضروری ہے کہ مسلمان اپنے گھروں اور اپنی مجلسوں کو غیبت سے پاک رکھیں اور کسی بھی مسلمان کی تنقیص اور تذلیل سے سخت پرہیز کریں۔

۲۷۔ غیبت سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے۔ جو لوگ غیبت وغیرہ کی بیماریوں میں مبتلا ہوں انہیں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

۲۸۔ اس آیت میں تمام انسانوں سے خطاب کر کے قوموں اور قبیلوں کے تعلق سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ان سب کا سررشتہ ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں سے جا ملتا ہے۔ سب آدم اور حوا کی اولاد ہیں اور جب سب کی اصل ایک ہے تو نہ قومی اور قبائلی فخر کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ امتیازات کے لئے جو رنگ ونسل اور ملک ووطن کی بنا پر قائم کئے جاتے ہیں اور جن سے باہم منافرت پیدا ہوتی ہے۔

زمین پر نوع انسانی کے پھیلاؤ کا یہ قدرتی اور لازمی نتیجہ تھا کہ وہ مختلف خطوں میں آباد ہوں، اور جب لوگ مختلف خطوں میں آباد ہوئے تو ان کے رنگ الگ الگ ہو گئے، ان کی نسلیں الگ الگ ہو گئیں اور زبانیں مختلف ہو گئیں۔ ان اختلافات نے جو ظاہری اور قدرتی تھے انسانوں کو قوموں اور قبیلوں کی شکل دی۔ یہ اختلاف جو قدرتی طور پر رونما ہوا، کی مصلحت یہ تھی کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں، قریبی لوگوں سے زیادہ محبت پیدا ہو اور وہ حقِ قرابت ادا کریں۔ مگر لوگوں نے ان اختلافات کو باہم تفریق اور منافرت کا ذریعہ بنایا اور قوموں اور قبیلوں کے درمیان تعصّبات کی دیواریں کھڑی کر دیں۔

موجودہ زمانہ میں لسانی عصبیت، کالے رنگ والوں کے ساتھ گورے رنگ والوں کا امتیازی سلوک، نسلی برتری کا احساس اور قوم پرستی و وطن پرستی جن کی بنا پر مختلف انسانی گروہوں کے درمیان کشمکش اور جنگیں برپا ہیں، اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے جو اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوئی ہے۔

ہندوستان کی مشرک قوم ذات پات کی قائل ہے اور اونچ نیچ کا تصور ان کے مذہبی تصورات میں شامل ہے اس لئے اونچی ذات کے لوگ نچلی ذات کے لوگوں کو شودر (حقیر) قرار دیتے ہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان کو اچھوت قرار دے کر ان کے ساتھ بُرا سلوک کیا گیا اور ان کو گھٹیا درجہ میں رکھا گیا۔

اسلام کا معاشرتی نظام ان تمام خرابیوں سے پاک ہے اس میں نہ اونچ نیچ ہے اور نہ ذات پات کا تصور اور نہ چھوت چھات کے لئے کوئی گنجائش۔ معاشرتی برابری کا مشاہدہ پنج وقتہ نماز سے کیا جا سکتا ہے جس میں کسی قسم کے تفوق اور برتری کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

رہا نکاح میں کفاءت (خاندانی حیثیت اور پیشہ وغیرہ میں برابری) کا مسئلہ تو اس کی حیثیت محض مصلحت کی ہے تاکہ شوہر اور بیوی کے درمیان نباہ کی صورت پیدا ہو نہ کہ شرعی قاعدہ کی، کہ اس کے خلاف کرنا جائز نہ ہو۔ اس کی واضح مثال حضرت زینب کا جو قریشی تھیں، حضرت زید سے نکاح ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ معلوم ہوا کہ کُفو کا لحاظ واجب نہیں ہے۔ عربی اور عجمی سب ایک دوسرے کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ قرآن نے اصلاً دین اور پاکیزگیٔ اخلاق اور پاک دامنی کو کُفو (برابری) کا معیار قرار دیا ہے۔

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔ (نور:۲۶)

''پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے۔''

۲۹۔ یعنی اللہ کے نزدیک شرف اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ جو شخص تقویٰ یعنی خدا خوفی اور پرہیزگاری میں جتنا آگے ہے اتنا ہی اس کا مقام بلند ہے۔ سچی عزت اور سرفرازی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ حسب و نسب اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے۔

۳۰۔ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے کون کتنا اللہ سے ڈرنے والا ہے اور اس کے حالات سے باخبر ہے اس لئے وہ اس کا صحیح درجہ متعین کرے گا۔ ہو سکتا ہے ایک شخص کی لوگوں کی نظروں میں کوئی قدر و قیمت نہ ہو لیکن وہ تقویٰ کے بلند معیار پر ہو جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے بلند درجہ عطا فرمائے۔

مؤمن حقیقت میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے
رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے
اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں
جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ (القرآن)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

۱۴ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۳۱؎ ۔ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم نے اسلام (اطاعت) قبول کر لیا ۳۲؎ ۔ایمان ابھی تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ہے ۳۳؎۔اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال ذرا بھی نہیں گھٹائے گا ۳۴؎ ۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۳۵؎

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ مؤمن حقیقت میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔یہی لوگ سچے ہیں۔ ۳۶؎

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

۱۶ کہو کیا تم اپنا دین اللہ کو جتلاتے ہو؟ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کہو مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی راہ دکھائی، اگر تم سچے ہو۔ ۳۷؎

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

۱۸ اللہ آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ ۳۸؎

۳۱۔ یہ سورہ کی اختتامی آیات ہیں جن میں ان لوگوں پر گرفت کی گئی ہے جو اسلام کے عقیدہ کو قبول کر کے مسلمانوں میں شامل تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دلوں میں ابھی ایمان اُترا نہیں تھا۔ اسی لئے ان کا رویہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایسا تھا جو ایمان سے میل نہیں کھاتا تھا بلکہ اس کے منافی تھا۔

۳۲۔ یہاں اسلام کا لفظ اپنے ابتدائی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا اور اطاعت کا اظہار کرنا۔ ظاہر ہے یہ اسلام اپنی روح، ایمان سے خالی ہونے کی بنا پر محض ظاہری اسلام ہوتا ہے نہ کہ حقیقی اور مکمل اسلام۔ اور جہاں تک ایمان کا تعلق ہے اس کی حقیقت دل کی تصدیق ہے۔ اس لئے ایمان کا زبانی دعویٰ بے معنی ہے اگر وہ دل کی تصدیق کے ساتھ نہ ہو۔

۳۳۔ واضح ہوا کہ کلمہ گو ہونے اور ایمان کا زبانی اقرار کر لینے سے آدمی مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے، لیکن جب تک دل میں ایمان نہ اتر جائے اللہ کے نزدیک وہ مؤمن نہیں ہے۔

۳۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت شعاری اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ دل میں ایمان موجود ہو۔ اور جو لوگ اطاعت شعار بنیں گے ان کے ہر نیک عمل کا اجر اللہ تعالیٰ انہیں دے گا اور اس میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

۳۵۔ یہ ترغیب ہے کہ لوگ اپنی اصلاح کر کے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔

۳۶۔ یہ سچے مؤمن کی پہچان ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان لاتا ہے کہ اس کے دل میں کوئی شک باقی نہیں رہتا بلکہ اسے پورا یقین اور اطمینان ہوتا ہے۔ اور یہ یقیناً اسے اس بات کے لئے آمادہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ وہ دین کی خاطر مخالف اسلام طاقتوں سے کشمکش مول لیتا ہے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اپنا مال بھی لگا دیتا ہے اور اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتا۔

موجودہ دور کے مسلمانوں کی بڑی تعداد دین کا شعور نہیں رکھتی۔ وہ کلمہ گو ہونے کی وجہ سے مسلمان تو ہیں لیکن ان کے گفتار اور کردار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقی ایمان سے آشنا نہیں ہیں۔ اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ آخرت کی نجات کے لئے ان کا کلمہ گو ہونا کافی ہے۔ اگر وہ ان آیات کا بغور مطالعہ کرتے تو ان کی آنکھیں کھلتیں۔

۳۷۔ یعنی اگر تم اپنے دعوئے ایمان میں واقعی سچے ہو تو تمہیں سمجھنا چاہئے کہ تم نے ایمان لا کر اللہ کے رسول پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی۔

۳۸۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو محض ظاہری اسلام کو کافی خیال کرتے ہیں تنبیہ ہے کہ اللہ سے تمہارے باطن کا حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اگر تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں تو تمہارے ظاہری اسلام کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں ہوگی۔

سورۂ قٓ

۵۰۔ق

نام سورہ کا آغاز حرف "ق" سے ہوا ہے اور یہی اس سورہ کا نام ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون زندگی بعد موت، حشر اور جنت وجہنم کا یقین پیدا کرنا ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۵ میں قرآن کی عظمت کو پیش کرتے ہوئے، زندگی بعد موت کے بارے میں کافروں کے شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے۔

آیت ۶ تا ۱۱ میں آسمان وزمین کی ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو اللہ کی قدرت، اس کی ربوبیت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جن پر غور کرنے سے زندگی بعد موت کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۵ میں ان قوموں کے انجام سے عبرت دلائی گئی ہے، جنہوں نے رسولوں کو اسی لئے جھٹلایا تھا کہ وہ انہیں زندگی بعد موت سے خبردار کررہے تھے۔

آیت ۱۶ تا ۳۵ میں اعمال کے ریکارڈ، حشر، جہنم اور جنت کی ایسی تصویر پیش کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے حشر برپا ہوگیا ہے۔ اور یہ سب چیزیں سامنے موجود ہیں۔

آیت ۳۶ اور ۳۷ میں تذکیر ہے۔

آیت ۳۸ تا ۴۵ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موقف پر جمے رہنے، اللہ کی تسبیح کرنے اور قرآن کے ذریعہ تذکیر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اہمیت یہ سورہ گو چھوٹی چھوٹی آیتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں دیگر اہم اور بنیادی باتوں کے علاوہ حشر ونشر کی تصویر اس طرح پیش کی گئی ہے گویا حشر برپا ہوگیا ہے۔ اور جنت اور دوزخ سامنے موجود ہیں۔ اس کی اس خصوصیت کی بنا پر عید اور جمعہ کی نمازوں میں اس کی قرأت زیادہ موزوں خیال کی گئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں اور جمعہ کے خطبہ میں اسے پڑھا کرتے تھے (مسلم کتاب صلاۃ العیدین)۔ نیز فجر کی نماز میں بھی اس کا پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

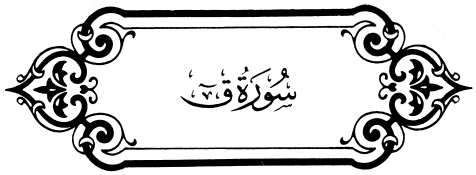

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

۵۰۔ سُوْرَةُ قٓ

آیات: ۴۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ قاف ا۔ قسم ہے قرآن مجید کی۔ ۲۔

۲ مگر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا، چنانچہ کافروں نے کہا یہ تو عجیب بات ہے۔ ۳۔

۳ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ پیدا کئے جائیں گے؟ یہ لوٹایا جانا تو (عقل سے) بعید ہے۔ ۴۔

۴ ہم جانتے ہیں زمین ان کے جسم میں سے جو کچھ گھٹاتی ہے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو تمام باتوں کو محفوظ رکھتی ہے۔ ۵۔

۵ مگر ان لوگوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آ گیا۔ اس لئے وہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۶۔

۶ تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کس طرح ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ ۷۔

۷ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ ڈال دئے اور اس میں ہر قسم کی خوش منظر نباتات اُگا دیں، ۸۔

۸ ہر اس بندہ کی بصیرت اور یاددہانی کے لئے، جو (اپنے رب کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔ ۹۔

۹ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا ۱۰، اور اس سے باغ اُگائے اور فصل کے غلے بھی، جو کاٹی جاتی ہے، ۱۱۔

۱۰ اور کھجور کے بلند درخت بھی جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہوتے ہیں، ۱۲۔

۱۱ بندوں کے رزق کیلئے۔ اور اس (پانی) سے ہم نے مُردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح مرنے کے بعد زمین سے نکلنا ہوگا۔ ۱۳۔

۱؎ حروف مقطعات کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎ اور سورۂ یونس نوٹ ۱؎۔

اس سورہ میں ''ق'' کا اشارہ قرآن کی طرف ہے جس کی عظمت کا ذکر پہلی آیت میں ہوا ہے اور جس کے ذریعہ تذکیر کی ہدایت آخری آیت میں کی گئی ہے۔اس حرف سے سورہ کا آغاز کرنے میں صوتی لحاظ سے اعجاز کا پہلو بھی ہے۔ یہ حرف اس سورہ کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے اور اس کا تلفظ چونکا دیتا ہے کہ نہایت اہم بات ارشاد ہو رہی ہے اس لئے اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاؤ۔

۲؎ قرآن کی صفت ''مجید'' بیان ہوئی ہے، جس کے معنی ہیں عظمت و رفعت والا (Glorious)۔اور قسم جیسا کہ اس سے پہلے واضح کیا جا چکا ہے عربی میں شہادت کے معنی میں آتی ہے۔ یہاں قرآن کے اس وصف کو کہ وہ ایک عظیم اور نہایت بلند پایہ کلام ہے رسالت کی شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ بلند پایہ کلام اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جو شخصیت اس کو پیش کر رہی ہے یہ اس کا اپنا کلام نہیں ہے، بلکہ اللہ نے اس پر نازل کیا ہے اور اسے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔اور اس لئے بھیجا ہے تا کہ وہ لوگوں کو اس بات سے خبردار کرے کہ موت کے بعد انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور جزائے عمل کے لئے اللہ کے حضور ان کی پیشی ہوگی۔

۳؎ یعنی بجائے اس کے کہ یہ لوگ قرآن کی عظمت کو دیکھتے ہوئے اس کے کلامِ الٰہی ہونے اور اس کو پیش کرنے والے کے رسول ہونے پر ایمان لاتے، انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی جیسا ایک بشر رسول کیسے ہوا؟ رسول تو کوئی فوق البشر ہی ہو سکتا ہے۔

۴؎ مزید تعجب انہیں اس بات پر ہو رہا تھا کہ جس بات سے قرآن اور اس کا پیغمبر انہیں خبردار کر رہا ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔مگر وہ سمجھتے تھے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونا کس طرح ممکن ہے، جب کہ مرنے کے بعد آدمی سڑ گل کر مٹی میں مل جاتا ہے، اور جب اس کا جسم باقی نہیں رہتا تو اسے کس طرح قیامت کے دن اٹھا کھڑا کیا جائے گا؟ وہ کہتے تھے یہ بات بعید از عقل ہے۔

۵؎ یعنی انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم کے جو اجزاء مٹی میں مل جاتے ہیں ان کا علم اللہ کو بخوبی ہے اور اللہ نے ذرہ ذرہ کا ریکارڈ محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی کر رکھا ہے۔اس لئے اللہ کا حکم ہوتے ہی ہر شخص اپنے سابقہ جسم کے ساتھ زمین سے نکل پڑے گا۔

۶؎ یعنی مرنے کے بعد کیا کچھ پیش آنا ہے اس کے بارے میں حقیقت وہ ہے جو قرآن پیش کر رہا ہے۔مگر ان لوگوں نے جب قرآن کی پیش کردہ حقیقت کو جھٹلایا تو دوسری زندگی کے بارے میں شک اور تردُّد میں پڑ گئے اور متضاد اور الجھی ہوئی باتیں کرنے لگے۔

انسان جب امرِ حق کا انکار کرتا ہے تو اس کے پاس یقین کے لئے کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی پھر وہ متضاد اور الجھی ہوئی باتیں کرنے لگتا ہے۔اس کی واضح مثال مشرکین ہند کا عقیدۂ تناسخ ہے جو متضاد باتوں کا مجموعہ ہے۔اور انسان کو سخت الجھن میں ڈال دیتا ہے، بخلاف اس کے قرآن زندگی بعد موت کے بارے میں جن باتوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے وہ واضح حقیقتیں ہیں جو دل کو اپیل کرتی ہیں اور یقین پیدا کرتی ہیں کہ یہ لازماً وقوع میں آئیں گی۔

۷؎ یعنی اگر یہ منکرینِ قیامت اس پہلو سے آسمان کا مشاہدہ کرتے کہ انہیں اس کے خالق کی معرفت حاصل کرنا ہے تو انہیں اس کی صناعی میں قادرِ مطلق کا ہاتھ دکھائی دیتا اور ان پر اس کا جلال بھی ظاہر ہوتا اور جمال بھی۔اور جب انہیں خالق کائنات کی یہ معرفت حاصل ہوتی تو پھر انسان کو دوبارہ اٹھائے جانے کی بات ان کو عجیب معلوم نہ ہوتی اور وہ اس کو ناممکن خیال نہ کرتے۔ کیوں کہ جس ہستی کے لئے اتنے وسیع آسمان کو بنانا، اس کو بے شمار ستاروں سے آراستہ کرنا اور اسے ایسا مضبوط بنا دینا کہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے باوجود اس میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا؟ اس کے کمالِ قدرت کی عظیم الشان نشانی ہے۔اور موجودہ سائنس نے تو آسمانی دنیا کے عجائبات کو بڑی تفصیل سے پیش کر دیا ہے لیکن انسان اس سے صرف اپنی معلومات میں اضافہ کر لیتا ہے اور اس بات کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے کہ یہ کس ہستی کی کارفرمائی ہے اور وہ کیسی زبردست قدرت والا ہے اور کیسی عظمت والا ہے۔

۸؎ جس طرح آسمان میں اللہ کی قدرت کے عجائبات دیکھے جاسکتے ہیں اسی طرح زمین میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ زمین کی سطح کو اتنا وسیع کر دینا کہ اس پر اربوں انسان آباد ہوسکیں، اس میں بڑے بڑے پہاڑ گاڑ دینا جو زمین کے توازن کو برقرار رکھیں، اور جن سے گونا گوں فوائد انسان کو حاصل ہوں اور زمین سے ایسی نباتات اگانا جن کا منظر دلوں کو موہ لینے والا ہو، کمالِ قدرت رکھنے والی اور جلال و جمال کی صفات سے متصف ہستی ہی کی کاریگری ہوسکتی ہے۔

۹؎ یعنی آسمان و زمین کے یہ عجائبات انسان کی آنکھیں کھول دینے والی ہیں اور ان پر غور کرنے سے نصیحت کا پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے بشرطیکہ انسان دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہے۔

۱۰؎ یعنی ایسی بارش جس سے سیراب ہوکر زمین زراُگلنے لگتی ہے اور جو انسان کو بہ کثرت فائدے پہنچاتی ہے۔

۱۱؎ یعنی بارش ہی سے فصلیں اُگتی ہیں اور پھر ان کو کاٹ کر اناج کے ذخیرے حاصل کئے جاتے ہیں۔

۱۲؎ کھجور کے شگوفہ کی پتیاں غلاف کے اندر تہ بہ تہ ہوتی ہیں جو صناعی اور آرٹ کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اور یہ تو ایک نمونہ ہے جس کا ذکر یہاں ہوا ہے ورنہ طرح طرح کے پودوں اور درختوں پر لگنے والے شگوفوں، پھولوں اور پھلوں کی بناوٹ پر آدمی غور کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کس اہتمام کے ساتھ یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں اور ان کی ترکیب میں کس طرح لطافت اور کمالِ صناعت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اس طرح جب آدمی ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اسے ان چیزوں میں اللہ کی قدرت کا کمال بھی دکھائی دیتا ہے اور اس کا جلال و جمال بھی۔

۱۳؎ آسمان سے جو پانی برستا ہے وہ جہاں اللہ کے بندوں کے لئے رزق کا ذریعہ بنتا ہے وہاں وہ اللہ کی اس نشانی کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ جو زمین مُردہ تھی وہ اللہ کے کرشمۂ قدرت سے زندہ ہوگئی اور اس کے کرشمۂ قدرت سے جس طرح زمین زندہ ہوسکتی ہے اسی طرح مُردے بھی زندہ ہوکر زمین سے باہر آسکتے ہیں۔

اس چیز (قیامت) کی طرف سے تو
غفلت میں رہا۔ ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا
جو تجھ پر پڑا تھا۔ اس لئے آج تیری
نگاہ بہت تیز ہے۔ (القرآن)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾

۱۲ اس سے پہلے قومِ نوح، اصحاب الرس ۱۴؎ اور ثمود جھٹلا چکے ہیں،

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

۱۳ اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی بھی، ۱۵؎

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

۱۴ اور ایکہ والے ۱۶؎، اور تُبع کی قوم بھی ۱۷؎۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید ان پر واقع ہو کر رہی۔ ۱۸؎

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

۱۵ کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۹؎

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

۱۶ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں گزرنے والے وسوسوں کو ہم جانتے ہیں ۲۰؎، اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، ۲۱؎

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾

۱۷ جب دو اخذ کرنے والے دائیں اور بائیں بیٹھے اخذ (ریکارڈ) کر رہے ہوتے ہیں۔ ۲۲؎

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

۱۸ وہ کوئی لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک مستعد نگراں موجود ہوتا ہے۔ ۲۳؎

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

۱۹ اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی۔ یہ ہے وہ چیز جس سے تو کتراتا تھا۔ ۲۴؎

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

۲۰ اور صور پھونکا گیا۔ یہ ہے وہ دن جس سے ڈرایا گیا تھا۔ ۲۵؎

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور ہر شخص اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ ہے۔ ۲۶؎

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

۲۲ اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں رہا۔ ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تجھ پر پڑا تھا۔ اس لئے آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ ۲۷؎

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ اس کے ساتھی نے کہا یہ جو میرے پاس تھا حاضر ہے۔ ۲۸؎

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

۲۴ (حکم ہوا) ڈال دو جہنم میں ہر کافر دشمن حق کو، ۲۹؎

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾

۲۵ خیر سے روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے، شک میں ڈالنے والے کو،

الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾

۲۶ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہرائے تھے ۳۰؎۔ تو اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

۱۴؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فرقان نوٹ ۵۱؎۔

۱۵؎ حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف جو بحر مردار کے کنارے واقع تھیں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا وہ چونکہ اس قوم میں پیدا نہیں ہوئے تھے اس لئے انہیں اخوان لوط (لوط کے بھائی) کہا گیا۔

۱۶؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۷۷؎۔

۱۷؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ دخان نوٹ ۳۹؎۔

۱۸؎ ان آیات میں ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا تاکہ پیغمبر قرآن کو جھٹلانے والے اپنا انجام سوچ لیں۔

۱۹؎ یعنی اللہ انسان کو پہلی بار پیدا کر کے تھک نہیں گیا ہے کہ اس کے لئے دوسری بار پیدا کرنا مشکل ہو۔ پہلی تخلیق کو دیکھتے ہوئے دوسری تخلیق کے بارے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

۲۰؎ وسوسہ کے معنی صوت خفی (آہستہ آواز) کے ہیں اور مراد وہ خیالات ہیں جو انسان کے نفس میں پیدا ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہیں۔

۲۱؎ اللہ انسان سے دور نہیں بلکہ ہر لحاظ سے قریب ہے اور اتنا قریب کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ۔ اللہ کی قدرت اور اس کا علم پوری طرح اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جب انسان پر اس کی گرفت اس قدر مضبوط ہے تو وہ اس سے ڈرتا کیوں نہیں اور یہ خیال اس کے ذہن میں کہاں سے سما جاتا کہ وہ اس کے حضور جواب دہ نہیں ہے۔

آیت کا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جب اللہ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات تک کو جانتا ہے تو قیامت کے دن ہر ہر شخص کے اعمال اور اس کے دل کے اسرار کو سامنے لانا اور ان کا حساب چکانا کیا مشکل ہے۔

۲۲؎ مراد دو فرشتے ہیں جو ہر شخص کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ ایک اس کی دائیں جانب بیٹھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ یہ دونوں فرشتے اس شخص کی ہر بات کو اخذ کر لیتے ہیں۔ اخذ کرنے سے مراد اس کو ریکارڈ کرنا اور محفوظ کر لینا ہے۔

۲۳؎ یعنی جب آدمی اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے تو جو فرشتہ اس کی نگرانی پر مامور ہوتا ہے وہ نہایت مستعدی سے اس کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ کوئی بات بھی ریکارڈ ہونے سے رہ نہیں جاتی۔ ان دو فرشتوں کے درمیان تقسیم کار کس طرح ہے اور یہ انسان کی دہنی اور بائیں جانب کس طرح بیٹھے رہتے ہیں اس کی وضاحت نہ قرآن میں ہوئی ہے اور نہ صحیح حدیث میں، اس لئے قرآن کے اجمالی بیان پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ رہا فرشتوں کا ایک ایک لفظ نوٹ کر لینا تو موجودہ دور کے انسان کے لئے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں رہی جب کہ ٹیپ ریکارڈ جیسی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں بلکہ یہ ایجادیں قرآن کی صداقت کا تازہ ثبوت ہیں۔ اس آیت میں اقوال کو ثبت کر لینے کی بات ارشاد ہوئی ہے اور سورۂ انفطار میں افعال کو:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (انفطار: ۱۰ تا ۱۲)

''تم پر نگراں مقرر ہیں۔ گرامی قدر کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔''

اور سورۂ زلزال میں ارشاد ہوا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (زلزال: ۷، ۸)

''تو جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔''

قرآن کے ان بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر شخص کے ہر قول، عمل اور اس کی تمام حرکات کو محفوظ (ریکارڈ) کیا جارہا ہے اس طور سے کہ قیامت کے دن وہ اپنے ہر ہر عمل کو خواہ کوئی نیکی ہو یا بدی اور خواہ وہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو، اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ گویا دنیا میں ہر شخص کی پوری زندگی فلمائی جارہی تھی اور قیامت کے دن وہ اپنی اس بولتی فلم کو دیکھ لے گا۔ اور یہ فلم انسان کی ایجاد کردہ فلم کے مقابلہ میں ایسی معیاری ہوگی کہ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

یہ حقیقت اگر آدمی کے پیش نظر رہے تو اس کی زندگی بڑی محتاط ہوجائے۔ وہ کوئی بات زبان سے نکالنے سے پہلے سوچے گا کہ اس پر گرفت تو نہیں ہوگی اور کسی کام کو کرنے سے پہلے اس کو یہ فکر ہوگی کہ اس کا شمار نیکی میں ہوگا یا بدی میں۔

۲۴۔ موت کے وقت انسان پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ مگر اس کی روح پر حق آشکارا ہوجاتا ہے۔ اگر وہ کافر تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ حق ہے جس سے تو دنیا میں کتراتا رہا گویا موت، قیامت کی تمہید ہے۔ موت آتے ہی آدمی فرشتوں کو بھی دیکھ لیتا ہے اور اس عالم کو بھی جو اس کی نگاہوں سے مستور ہے۔

۲۵۔ یہ قیامت کی تصویر ہے کہ دوسرا صور پھونکتے ہی تمام مرے ہوئے انسان زندہ ہوکر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی دن ہے جس سے تمہیں دنیا میں ڈرایا گیا تھا۔

۲۶۔ یعنی ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے۔ ایک اس کو میدان حشر کی طرف لے جارہا ہوگا اور دوسرا وہ جو اس کی عملی زندگی کے بارے میں گواہی دینے والا ہوگا۔

۲۷۔ یہ بات قیامت کے دن ہر اس شخص سے کہی جائے گی جو آخرت سے غافل تھا۔ اس غفلت کے نتیجہ میں اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا جس کو قیامت کے دن ہٹا دیا جائے گا اس لئے اس کی نگاہیں قیامت کے احوال دیکھنے کے لئے تیز ہوں گی۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ قیامت کا احساس رکھتے ہیں ان کی نگاہیں دنیا میں بھی تیز ہوتی ہیں اور وہ قیامت کے احوال کا قرآن کی روشنی میں مشاہدہ کرلیتے ہیں۔

۲۸۔ ساتھی (قرین) سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس شخص کے اعمال کی نگرانی کے لئے مقرر تھا۔ وہ اس کے اعمال کا ریکارڈ کرتے ہوئے کہے گا کہ یہ ریکارڈ بالکل تیار ہے۔

۲۹۔ یہ حکم ان دو فرشتوں کو ہوگا جو عدالتِ خداوندی میں مجرموں کو حاضر کریں گے۔ یعنی سائق (ہانکنے والا فرشتہ) اور شہید (گواہی دینے والا فرشتہ)۔

۳۰۔ یہاں کافر کی پانچ خصلتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حق کا مخالف اور اس کا دشمن ہوتا ہے، وہ دوسروں کو بھی قبولِ حق سے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں سے روکتا ہے، وہ اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑتا ہے، اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے، وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جو شرک اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ یہ کافروں کی چند خصلتوں کا ذکر ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کی اور خصلتیں بیان ہوئی ہیں۔

جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا رہا، اور جو انابت (رجوع) والے دل کے
ساتھ حاضر ہوا ہے، (ان سے کہا جائے گا) داخل ہو جاؤ جنت میں
سلامتی کے ساتھ۔ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہو
گا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔ (القرآن)

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾

۲۷ اس کے ساتھی نے کہا اے ہمارے رب! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ یہ خود دور کی گمراہی میں پڑ گیا تھا۔ ۳۱؎

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾

۲۸ ارشاد ہوا میرے پاس جھگڑا نہ کرو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی اپنے عذاب سے خبردار کر دیا تھا۔ ۳۲؎

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

۲۹ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی ۳۳؎۔ اور میں بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ ۳۴؎

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

۳۰ وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے؟ ۳۵؎

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾

۳۱ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی۔ کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ۳۶؎

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾

۳۲ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا ۳۷؎، اور حفاظت کرنے والا تھا۔ ۳۸؎

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

۳۳ جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا رہا ۳۹؎، اور جو انابت (رجوع) والے دل کے ساتھ حاضر ہوا ہے، ۴۰؎

اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

۳۴ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ ۴۱؎۔ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ ۴۲؎

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

۳۵ وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔ ۴۳؎

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

۳۶ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں ۴۴؎۔ انہوں نے دنیا کے ملکوں میں نفوذ کیا تھا تو کیا انہیں کہیں جائے پناہ ملی؟ ۴۵؎

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

۳۷ یقیناً اس میں سبق ہے ہر اس شخص کے لئے، جو دل رکھتا ہو یا توجہ کے ساتھ بات سنے۔ ۴۶؎

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

۳۸ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا ۴۷؎۔ اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔ ۴۸؎

۳۱؎ اس آیت میں ''قرینہ'' (اس کے ساتھی) سے مراد شیطان ہے جو دنیا میں اس شخص کا ساتھی بنا رہا۔

اندازِ کلام سے واضح ہے کہ اس شخص کو جب سخت عذاب میں ڈالنے کا حکم ہوگا تو وہ اپنی سرکشی کا ذمہ دار شیطان کو ٹھہرائے گا۔ اور شیطان اس کی تردید کرتے ہوئے کہے گا کہ میں نے اس پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ خود پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لہٰذا قصوروار اور مجرم یہ خود ہے۔

۳۲؎ یعنی اب اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے تمہیں دنیا میں اپنے رسولوں کے ذریعہ خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم نے کفر کیا تو اس کی سخت سزا تمہیں قیامت کے دن بھگتنا ہوگی۔

۳۳؎ یعنی میرا فیصلہ اٹل ہے اور اس فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کہ میں شیطان اور اس کے پیروؤں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

۳۴؎ یعنی جہنم کی یہ ابدی سزا جو کافروں کو دی جائے گی ظالمانہ نہیں ہوگی بلکہ عدل وحق کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہوگی۔ جو لوگ خدا پر اعتراض کرنے کی جسارت کرتے ہیں وہ قرآن میں ان سخت سزاؤں کا ذکر سن کر اللہ کو نعوذ باللہ ظالم خیال کرنے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک انصاف کی بات یہ ہے کہ اللہ اپنے وفادار بندوں اور اپنے باغیوں میں کوئی فرق نہ کرے۔ باغیوں کو سزا دینے کے بجائے اپنے انعام سے نوازے یا پھر سرے سے آخرت برپا ہی نہ کرے۔ مگر ان کی یہ دونوں باتیں صریحاً غلط اور خلافِ عدل ہیں۔ دنیا کی حکومتیں اپنے باغیوں اور سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو موت کی سزا بھی دیتی ہیں اور عمر قید کی بھی اور اس کو عدل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے، پھر اللہ کی طرف سے اس کے سرکش بندوں کو دی جانے والی ابدی سزا کو وہ کس طرح ظالمانہ قرار دیتے ہیں؟ رہی یہ بات کہ اللہ سرے سے آخرت برپا ہی نہ کرے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دنیا اور اس میں انسان کا وجود سب عبث ہیں۔ انسان کو اگر مر کر بالکل فنا ہی ہو جانا ہے تو دنیا کی چند روزہ زندگی کا حاصل کچھ نہیں۔ وہ بالکل بے فائدہ اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ظلم کسی کے حق کو چھین لینے یا کسی ناجائز غرض کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بے نیاز ہے اور اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے پھر وہ اپنے بندوں پر کیوں ظلم کرنے لگا۔

۳۵؎ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ کافروں اور مجرموں کی اتنی بڑی تعداد جو معلوم نہیں کتنے بیلین (Billion) انسانوں اور جنوں پر مشتمل ہوگی، جہنم میں کس طرح سما سکے گی۔ اس کی وسعت کا حال یہ ہوگا کہ انس وجن کی بڑی تعداد سے اس کو بھر دینے کے باوجود وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہوں تو ان کے لئے گنجائش ہوسکتی ہے۔

۳۶؎ یعنی جنت میں جانے کے لئے متقیوں کو کوئی فاصلہ طے کرنا نہیں پڑے گا، جوں ہی فیصلہ ہوگا وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔ زماں اور مکاں کا کوئی فاصلہ ان کے اور جنت کے درمیان حائل نہ ہوگا۔

قرآن کی آیتوں سے یہ بات تو واضح ہے کہ حشر زمین ہی پر ہوگا۔ رہا متقیوں کے لئے جنت کا قریب ہونا تو اس کی نوعیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ آخرت کے زمان ومکان کو ہم دنیا کے زمان ومکان پر قیاس نہیں کر سکتے۔

۳۷؎ اوّاب یعنی بار بار توبہ کرنے والا اللہ کی طرف پلٹنے والا اور ہر معاملہ میں اور ہر موقع پر اسی کی طرف رجوع کرنے والا۔

۳۸؎ مراد حدود الٰہی کی حفاظت کرنا ہے یعنی وہ شرعی حدود کا پابند تھا۔

۳۹؎ یعنی رحمٰن کو اگرچہ اس نے نہیں دیکھا تھا لیکن اس کی عظمت کے تصور سے وہ لرزاں رہتا تھا۔ واضح رہے کہ رحمٰن کی صفت اس کی عظمت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۶۸؎۔

۴۰؎ ''قلب منیب'' سے مراد اللہ کی طرف متوجہ ہونے والا دل ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دل لے کر آیا جو اللہ کے معاملہ میں ہمیشہ بیدار رہا اور اس کی طرف متوجہ رہا۔ اس کا سر ہی نہیں بلکہ اس کا دل بھی اللہ کے آگے جھکا ہوا تھا اور وہ دل کی انابت کے ساتھ اللہ کی عبادت و اطاعت کرتا تھا۔

ان آیتوں میں متقیوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں جن سے تقویٰ کا مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

۴۱؎ یعنی ہر خطرہ اور ہر آفت سے محفوظ۔

۴۲؎ یعنی آج کی کامیابی ہمیشہ کے لئے اور آج کا انعام ہمیشہ کے لئے ہے۔

۴۳؎ یعنی وہ جو چاہیں گے وہ تو انہیں جنت میں ملے گا ہی۔ اس کے علاوہ ہم انہیں اپنی طرف سے مزید انعامات سے نوازیں گے۔

۴۴؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۱۶؎۔

۴۵؎ یعنی یہ گذری ہوئی طاقتور قومیں مختلف ممالک میں اپنا اثر و نفوذ رکھتی تھیں لیکن جب ان پر عذاب آیا تو انہیں کہیں بھی جائے پناہ نہ مل سکی۔ پھر یہ لوگ کس گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔

۴۶؎ یعنی جس کا دل زندہ اور بیدار ہو۔ ایسا شخص خود ہی ان قوموں کے عبرت ناک انجام سے سبق لے گا۔ لیکن جس کا دل اس حد تک بیدار نہ ہو تو کم از کم وہ توجہ سے ان واقعات کو سنے۔ اس صورت میں بھی وہ نصیحت حاصل کرے گا لیکن جو شخص تاریخ کے ان عبرت آموز واقعات پر نہ خود غور کرتا ہو اور نہ ناصح کی نصیحت پر کان دھرتا ہو وہ بُرے انجام سے کس طرح بچ سکتا ہے؟

۴۷؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۸۲؎۔

۴۸؎ یہ تردید ہے یہود کے اس خیال کی کہ اللہ نے ساتویں دن جو ان کے نزدیک سبت کا دن ہے آرام کیا۔

بائبل میں ہے:

''کیوں کہ خداوند نے چھ دن میں آسمان و زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔'' (خروج ۲۰:۱۱)

اللہ کے بارے میں یہ تصور ہی باطل ہے۔ اس کو نہ تکان لاحق ہوتی ہے اور نہ اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ زبردست قوت والا ہے۔ اگر اس کو انسان اپنے پر قیاس کرتا ہے تو یہ اس کی کوتاہ نظری ہی نہیں حماقت بھی ہے۔

تو صبر کرو ان کی باتوں پر، اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے
ساتھ۔ سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے
سے پہلے۔ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کرو۔
اور سجدوں (نمازوں) کے بعد بھی۔ (القرآن)

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾

۳۹ تو صبر کرو ان کی باتوں پر، اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔۴۹؎

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

۴۰ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کرو ۵۰؎۔ اور سجدوں (نمازوں) کے بعد بھی۔۵۱؎

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾

۴۱ اور سنو جس دن پکارنے والا قریب کی جگہ ہی سے پکارے گا، ۵۲؎

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾

۴۲ جس دن یہ اس ہولناک آواز کو حق کے ساتھ سنیں گے ۵۳؎۔ وہ نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ۵۴؎

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾

۴۳ بلا شبہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹنا ہے،

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾

۴۴ جس دن زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی اور وہ تیزی سے نکل رہے ہوں گے ۵۵؎۔ یہ حشر ہمارے لئے نہایت آسان ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ
بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

۴۵ ہم اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اور تم (اے نبی!) ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو ۵۶؎۔ تو اس قرآن کے ذریعہ سے تذکیر کرو ان لوگوں کو، جو میری وعید (عذاب کی آگاہی) سے ڈریں۔ ۵۷؎

۴۹؎ یعنی یہ لوگ جو باتیں تم کو جھٹلانے کیلئے کہہ رہے ہیں ان سے کبیدہ خاطر نہ ہو جاؤ بلکہ صبر وضبط سے کام لو اور اپنے رب کی حمد وتسبیح میں سرگرم رہو کہ یہ سکونِ قلب کا سامان ہے۔

حمد کے ساتھ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پاکی اس طرح بیان کی جائے کہ اس کے پہلو بہ پہلو اس کے خوبیوں اور کمالات سے متصف اور اس کے لائقِ ستائش ہونے کا ذکر بھی ہو۔

سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تسبیح کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد نماز فجر ہے اور غروب سے پہلے کی تسبیح سے مراد نمازِ عصر ہے۔

۵۰؎ مراد عشاء کی نماز ہے۔

فجر، عصر اور عشاء کی نمازیں ادا کرنے کا حکم آغاز میں دیا گیا تھا۔ اس کے بعد پانچ وقت کی نمازوں کا حکم دیا گیا۔

ملاحظہ ہو سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۱۰۸؎۔

۵۱؎ یہاں سجود سے مراد جیسا کہ موقع کلام سے واضح ہے نمازیں ہیں۔ یہ اس بات کی ترغیب ہے کہ نمازوں کے بعد بھی اللہ کی تسبیح کی جائے کیوں کہ تسبیح ذکر بھی ہے، عبادت بھی اور روح کی غذا بھی نیز بہت بڑے اجر کا موجب بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت اور فضیلت اس طرح بیان فرمائی ہے:

لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ۔

''سبحان واالحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔'' (مسلم کتاب الذکر)

نیز فرمایا:

اَلَا اُخْبِرُکَ بِاَحَبِّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اَحَبَّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ۔

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے؟ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' ہے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے ہر نماز کے بعد حمد وتسبیح کے کلمات کہنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

تُسَبِّحُوْنَ وَ تُکَبِّرُوْنَ وَ تَحْمِدُوْنَ فِی دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِیْنَ مَرَّۃً۔ (مسلم کتاب المساجد)

''ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ اللہ اکبر اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہا کرو۔''

اوپر آیت ۱۸ میں گزر چکا کہ انسان کی زبان سے جو لفظ بھی نکلتا ہے نوٹ کر لیا جاتا ہے پھر ایک مؤمن اپنی زبان سے زیادہ سے زیادہ حمد وتسبیح کے کلمات کیوں نہ ادا کرے اور اپنے عمل کو کیوں نہ ان جواہرات سے مزین کرے۔

۵۲؎ یعنی اس پکار کو جو قیامت کے دن قبروں سے نکلنے کے لئے ہوگی سننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ پکار ہر شخص جو مر گیا تھا سن لے گا اور اسے ایسا محسوس ہوگا کہ قریبی جگہ ہی سے پکارنے والا پکار رہا ہے۔

ماضی کا انسان سوچ نہیں سکتا تھا کہ حشر کی آواز پوری زمین پر جس میں مردے دفن ہیں کس طرح نشر ہوگی۔ مگر موجودہ دور میں ریڈیو کی ایجاد نے اس سوال کا بھی جواب دے دیا۔ اس طرح قرآن کی صداقت کی نشانیاں آفاق میں ظاہر ہوتی جا رہی ہیں۔

۵۳؎ یعنی حشر کی یہ ندا، ندائے حق ہوگی اور سننے والے پر حق کو آشکارا کرے گی۔

۵۴؎ یعنی اس ندا کو سنتے ہی تمام مرے ہوئے انسان زمین سے نکل پڑیں گے خواہ ان کی قبر بنی تھی یا نہ بنی تھی۔

۵۵؎ یہ قیامت کے دن زمین سے نکلنے کی تصویر ہے۔ جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو زمین جگہ جگہ سے شق ہوگی اور ساری خلقت جو زمین میں دفن ہوئی تھی زندہ ہوکر باہر نکل آئے گی اور عالم یہ ہوگا کہ لوگ زمین سے تیزی کے ساتھ نکل کر دوڑ رہے ہوں گے۔

۵۶؎ یعنی تمہارا کام فہمائش کرنا ہے۔ جبر کر کے اپنی بات منوانا نہیں ہے اور جب ایک پیغمبر کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تو مسلمان غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر کس طرح مجبور کر سکتے ہیں؟ رہا جہاد تو اس کا تعلق جنگی مقاصد سے ہے نہ کہ لوگوں کا دین زبردستی بدلنے سے۔

۵۷؎ یہ واضح ہدایت ہے اس بات کی کہ قرآن کو تذکیر کا ذریعہ بنایا جائے۔ کیوں کہ حق کو واضح کرنے، اللہ کی حجت اس کے بندوں پر قائم کرنے اور نصیحت کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر ذریعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اس ہدایت کے پیش نظر دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کا کام کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کو اس کے معنی ومفہوم کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اور حالات اور موقع کی مناسبت سے قرآن کی رہنمائی کو اُجاگر کریں۔ موجودہ دور میں دینی کتابوں کی کثرت ہے۔ اور مسلمانوں کا ہر حلقہ اپنی کتابوں اور اپنے لٹریچر پر نازاں ہے اور قرآن کو اس کے معنی ومفہوم کے ساتھ پیش کرنے کا اتنا اہتمام نہیں کر رہا ہے جتنا کہ اپنی کتابوں اور اپنے لٹریچر کو پیش کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ بہت کم لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس بنا پر فہم دین کے معاملہ میں لوگوں کا تعلق قرآن سے براہِ راست قائم نہیں ہو پاتا۔ اور اس کی فکر خالص قرآنی نہیں بنتی۔ وہ اسی فکر کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے حلقہ کی کتابوں یا لٹریچر میں پیش کی گئی ہو۔ ہر قسم کے گروہی اور جماعتی تعصب سے بلند ہوکر دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فہم قرآن پر زور دیا جائے اور اسی کو فہمائش اور تذکیر کا اصل ذریعہ بنایا جائے۔

۵۱۔ الذاریات

نام آغاز میں الذاریات (گرد اڑانے والی ہواؤں) کا ذکر ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورۂ کا نام ''الذاریات'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون جزائے عمل ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۶ میں طوفانی اور بارش برسانے والی ہواؤں میں غافل انسانوں کو چونکا دینے، انہیں اللہ کی طرف متوجہ کرنے اور جزائے عمل کا یقین پیدا کرنے کا جو سامان ہے، اس کی طرف متوجہ کر کے جزا و سزا کو لازماً واقع ہونے والی حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۷ تا ۱۴ میں جزائے عمل کا انکار کرنے اور اس کا مذاق اڑانے والوں کو اُس کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

آیت ۱۵ تا ۱۹ میں اللہ سے ڈرتے رہنے اور نیکی کی زندگی گزارنے کی ترغیب ہے۔ چنانچہ اس کا بہترین صلہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۰ تا ۲۳ میں ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نیز انسان کے اپنے نفس میں موجود نشانیوں پر غور کرنے سے جزا و سزا کے برحق ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

آیت ۲۴ تا ۴۶ میں انبیائی تاریخ کے چند اہم واقعات سے عبرت دلائی گئی ہے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اللہ کا قانونِ سزا اس دنیا میں بھی کافر قوموں پر نافذ ہوتا رہتا ہے۔

آیت ۴۷ تا ۶۰ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں، جن میں اللہ کی قدرت و عظمت کو بیان کرتے ہوئے اس کی طرف لپکنے اور اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

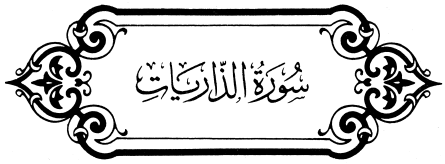

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾

اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰت

آیات : ۶۰

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ قسم ہے ۱ ان ہواؤں کی جو گرد اڑاتی ہیں۔ ۲

۲ پھر (پانی سے لدے بادلوں کا) بوجھ اٹھاتی ہیں۔ ۳

۳ پھر روانی کے ساتھ چلتی ہیں۔ ۴

۴ پھر ایک امر (بارش) کی تقسیم کرتی ہیں۔ ۵

۵ یقیناً جس چیز کی وعید (تنبیہ) تم کو سنائی جارہی ہے وہ سچ ہے۔ ۶

۶ اور جزا وسزا یقیناً واقع ہو کر رہے گی۔ ۷

۷ قسم ہے تہ بہ تہ بادلوں والے آسمان کی۔ ۸

۸ تم مختلف باتیں کرتے ہوں۔ ۹

۹ حق سے وہی پھیرے جاتے ہیں جن کی عقل ماری گئی ہو۔ ۱۰

۱۰ ہلاک ہوں اٹکل سے باتیں کرنے والے۔ ۱۱

۱۱ جو غفلت میں پڑے ہوئے بے حس ہیں۔ ۱۲

۱۲ پوچھتے ہیں جزا وسزا کا دن کب آئے گا؟ ۱۳

۱۳ جس دن یہ آگ پر تپائے جائیں گے۔

۱۴ چکھو مزا اپنے فتنہ کا۔ ۱۴ یہ وہی چیز ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔

۱۵ بلاشبہ اللہ سے ڈرنے والے ۱۵ باغوں اور چشموں میں ہونگے۔

۱۶ ان کے رب نے انہیں جو کچھ بخشا ہوگا اسے وہ لے رہے ہوں گے ۱۶ وہ اس سے پہلے نیکوکار تھے۔ ۱۷

۱۷ وہ راتوں میں کم ہی سوتے تھے۔ ۱۸

۱۸ اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے۔ ۱۹

۱۹ اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لئے۔ ۲۰

۱۔ یہاں ہواؤں کی قسم شہادت کے طور پر ہے یعنی یہ ہوائیں جزائے عمل کا یقین پیدا کرتی ہیں۔ شہادت کے معنی میں قسم عربی زبان میں بلاغت کا اسلوب ہے۔

۲۔ گرد اڑانے والی ہوائیں بارش کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اور کبھی آندھی کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ یہ غافل انسانوں کو چونکا کر اللہ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کی شانِ جلالت کا یقین پیدا کرتی ہیں۔

۳۔ ہوائیں نہایت لطیف ہوتی ہیں لیکن کروڑ ہا لیٹر پانی سے لدے ہوئے بادلوں کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ موسم باراں میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کو نیچے کی جانب ایسا منظر دکھائی دیتا ہے کہ گویا فضا میں بادلوں کا ایک سمندر ہے جو اُفق تک پھیل گیا ہے۔ ہواؤں کا اپنے دوش پر پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو لئے لئے پھرنا ایک باعظمت اور با اقتدار ہستی کی کارفرمائی کی واضح علامت ہے۔

۴۔ ہوائیں جب پانی سے لدے ہوئے بادلوں کا بوجھ اٹھا لیتی ہیں تو اس بوجھ کے اثر سے ان کی رفتار کم نہیں ہوتی بلکہ وہ نہایت آسانی اور روانی کے ساتھ چلتی ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کی باگ ڈور ایک قادرِ مطلق اور مدبر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔

۵۔ بارش کو ''امر'' سے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ یہ نہایت اہم چیز ہے اور ہوائیں اللہ کے حکم سے پانی کی تقسیم کا کام انجام دیتی ہیں۔ وہ کسی خطہ میں ہلکی سی بارش برساتی ہیں تو کسی خطہ میں موسلا دھار، کہیں سیلاب لاتی ہیں تو کہیں طوفان اور کہیں باران رحمت بن کر برستی ہیں تو کہیں تباہی اور عذاب بن کر۔ گویا ہوائیں ایک منصوبہ بند طریقہ پر پانی کی تقسیم عمل میں لاتی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پیچھے ایک زبردست قدرت رکھنے والی، نہایت مدبر اور دانا و بینا ہستی کا ہاتھ کارفرما ہے۔

تقسیمِ امر کی نسبت ہواؤں کی طرف مجازی ہے۔ اور اس مجاز کی مثالیں قرآن میں موجود ہیں مثلاً دیوار کی طرف ارادہ کی نسبت **جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ** (دیوار جو گرا چاہتی تھی۔ سورہ کہف: ۷۷)

ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ **مُقَسِّمَاتِ اَمْرًا:** سے مراد فرشتے ہیں لیکن یہ روایت جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے صراحت کی ہے ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۳۲) اس لئے لائق حجت نہیں۔

۶۔ مراد قیامت کا دن ہے نیز وہ دن بھی جو رسول کو جھٹلانے والی قوم کے لئے دنیا میں عذاب کا دن ہوگا۔

۷۔ غور کیجئے تو ہواؤں کے اس تصرف میں اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا سامان بھی ہے اور جزا و سزا پر یقین کرنے کا سامان بھی۔ یہ ہوائیں جب چلتی ہیں تو دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرتی ہیں اور اس کی رحمت کا تصور بھی۔ گویا یہ اپنے عجیب و غریب تصرفات سے اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ خدا سے سرکشی کرنے والوں کے لئے عذاب کا کوڑا ہے اور اس کے نیک اور وفادار بندوں کے لئے رحمت ہے۔ اس سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جزا و سزا کا واقع ہونا بالکل یقینی اور حق ہے۔

۸۔ اصل میں لفظ 'حُبُک' استعمال ہوا ہے جو حبک کی جمع ہے۔ ہوائیں پانی میں جو لہریں پیدا کرتی ہے ان کو حُبُک کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے یہ تہ بہ تہ اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے والے بادلوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ امراء القیس کہتا ہے۔ ؎ **لھا حبک کانھا من وصائل**

(ان پر تہ بہ تہ بادل چھائے ہوئے ہیں گویا کہ دھاریدار چادریں ہیں)

ہوائیں آسمان میں بادلوں کو اس طرح بکھیرتی ہیں کہ وہ تہ بہ تہ نظر آنے لگتے ہیں، اور ان کی مختلف شکلیں بن جاتی ہیں، آسمان کا یہ منظر بڑا چونکا دینے والا ہوتا ہے، اور دیکھنے والوں میں خدا کا خوف پیدا کرتا اور انہیں دعوتِ فکر دیتا ہے۔ یہ خوف اس بات کی دلیل ہے کہ انسان خدا کے حضور جوابدہ ہے اور

اس سے سرکشی کر کے اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا قرآن جزا و سزا کے دن کی جو خبر دے رہا ہے اس کی تائید ہیبت پیدا کرنے والے بادلوں سے بھی ہوتی ہے۔

۹؎ یعنی جزا و سزا کا واقع ہونا ایک حقیقت ہے لیکن تم اس کا انکار کر کے الجھن میں پڑ گئے ہو چنانچہ مختلف لوگ مختلف باتیں کہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے جزا و سزا کی کوئی حقیقت نہیں۔ کوئی کہتا ہے جزا و سزا جو کچھ بھی ہے اس دنیا ہی میں ہے۔ کوئی کہتا ہے اگر مرنے کے بعد جزا و سزا کا معاملہ پیش آ ہی گیا تو ہمارے معبود ہماری شفاعت کریں گے اور کوئی پونر جنم کا فلسفہ پیش کرنے لگتا ہے۔ اقوال اور عقائد کا یہ اختلاف جزا و سزا کی اصل حقیقت سے انکار و انحراف ہی کا نتیجہ ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ق نوٹ ۶؎۔

۱۰؎ یعنی جزا و سزا کو ماننے سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں۔ جن کی عقل ماری گئی ہے ورنہ جو شخص بھی اللہ کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے گا وہ اس واضح حقیقت کا انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا قانون ضلالت یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے اور وہ عقل سے کام لینے کے بجائے خواہشات کے پیچھے پڑ کر انکار کرتا ہے اس کی توجہ حق کی طرف سے پھیر دی جاتی ہے پھر وہ اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے۔

۱۱؎ انسان اپنے کئے کی جزا و سزا پائے گا یا نہیں؟ یہ ایک ایسا بنیادی سوال ہے جو انسان کے رویے کو متعین کرتا ہے اور اس پر اس کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے اس لئے اس کا جواب علمی بنیاد پر اور دلائل و شواہد کی روشنی میں ملنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری کر کے اس کا علم بخشا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ایک ذمہ دار اور خدا کے حضور جوابدہ مخلوق ہے اور جزا و سزا کا معاملہ لازماً پیش آئے گا اور کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان ایمان لا کر نیکی کی روش اختیار کرے۔ اس علمِ حق کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور خود انسان کے اپنے نفس کے اندر ایسی نشانیاں رکھی ہیں جو دلائل و شواہد کی حیثیت رکھتی اور اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہیں۔ اس ٹھوس علم کو چھوڑ کر زندگی کے اس اہم ترین مسئلہ میں اٹکل کے تیر چلانا اور قیاس و گمان سے باتیں کرنا اس کے سوا کیا ہے کہ آدمی روشنی کو چھوڑ کر تاریکی (اندھیرے) میں چلنا پسند کرے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنے کو تباہی کے راستے پر ڈالتے ہیں۔ انسانوں کی بہت بڑی تعداد مذہبی تعصّبات، اندھی خواہشات اور مادہ پرستی کی بنا پر تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ پونر جنم اور تناسخ کا فلسفہ ہو، یا ''موت کے بعد کوئی زندگی نہیں'' کا دعویٰ ہو یا عمل کے بجائے شفاعت پر تکیہ کئے رہنے کا عقیدہ ہو۔ یہ سب قیاس اور وہم و گمان کی باتیں ہیں جو بُرے انجام کو پہنچانے والی ہیں۔ علم کی روشنی وہی ہے جو قرآن بخشتا ہے اور وہ کامیابی کی ضامن ہے۔

۱۲؎ یعنی وہ شدید غفلت میں مبتلا ہیں اس لئے انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ آگے کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔

۱۳؎ ان کا یہ سوال کہ وہ دن کب آئے گا جب آدمی اپنے کئے کا پھل پائے گا۔ قیامت کا مذاق اڑانے کے لئے تھا اس لئے اس کا جواب بھی آگے سخت تنبیہی انداز میں دیا گیا ہے۔

۱۴؎ فتنہ سے مراد شر ہے جس میں وہ دنیا میں مبتلا تھے۔ یہ شر عذاب بن کر ان کو اپنی گرفت میں لے گا۔

۱۵؎ متقین (اللہ سے ڈرنے والوں) سے مراد جیسا کہ سیاق و سباق سے واضح ہے وہ لوگ ہیں جو بدلہ کے دن پر یقین رکھتے تھے اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔

۱۶؎ یعنی اللہ کی بخشی ہوئی ابدی نعمتوں کو وہ ہنسی خوشی قبول کر رہے ہوں گے۔

۱۷؎ یعنی دنیا میں انہوں نے نیک عملی کی زندگی گزاری تھی۔ محسن (نیکوکار) وہ ہے جو اللہ کے احکام کو نہ صرف بجالائے بلکہ حسن و خوبی کے ساتھ بجا لائے اور بہترین کردار کا ثبوت دے۔

۱۸۔ یعنی وہ رات کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ ان کو اپنے آرام سے زیادہ اللہ کی عبادت عزیز تھی اور قیامت کا کھٹکا انہیں چین کی نیند سونے نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے اس شب بیداری کو معیار مطلوب کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے تا کہ جو شخص جتنا اونچا اٹھنا چاہے اٹھے لیکن اس کو واجب نہیں کیا۔ چنانچہ سورہ مزمل میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

احنف بن قیس صحابیٔ رسول ہیں وہ اعتراف کرتے تھے کہ: لَسْتُ مِنْ اَهْلِ هٰذِهِ الآيَةِ ''میں اس آیت کا اہل نہیں ہوں'' (تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۱۲۲)

۱۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۲۳۔ اور ۲۴۔ سحر کا وقت قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے موزوں ترین وقت ہے۔ حدیث قدسی ہے:

اَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقىٰ ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرِ يَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِى فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَسْأَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَ لَهٗ۔ (صحیح البخاری ابواب التہجد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات جب کہ رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کا جواب دوں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے معافی چاہے تو میں اسے معاف کر دوں۔''

۲۰۔ سائل وہ ہے جو اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لئے مالی مدد طلب کرے۔ اگر مانگنے والا بظاہر حالات حاجت مند ہو تو اس کا حق سمجھ کر اس کی مدد کرنا چاہئے۔ اگر فی الواقع وہ حاجتمند نہیں ہوا تو اس کی کوئی ذمہ داری صدقہ دینے والے پر عائد نہیں ہوگی۔ رہے وہ بھیک منگے جو تندرست ہونے کے باوجود فقیری کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور مزید یہ کہ غیر اللہ کے نام پر بھیک مانگ کر شرک کا پرچار کرتے رہتے ہیں وہ ہرگز صدقہ وخیرات کے مستحق نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:۔

مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِىَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِىْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

''آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب قیامت کے دن وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔

اور محروم وہ لوگ ہیں جو اپنی کسی معذوری یا حالات کی ناسازگاری یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے اپنی گذر بسر کا سامان نہ پاتے ہوں اور اپنی خودداری کی وجہ سے کسی سے کچھ مانگتے بھی نہ ہوں۔ ایسے لوگ حقیقتاً مدد کے مستحق ہیں۔ قرآن نے خاص طور سے ان کا ذکر کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ایسے مفلوک الحال لوگوں کو شناخت کر کے ان کی مدد کریں جب کہ انہوں نے مانگنے کی عار گوارا نہ کی ہو۔

آیت سے یہ بھی واضح ہے کہ سوسائٹی کے حاجتمند افراد کی مدد اصحاب مال کی طرف سے کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ ان افراد کا ان کے مال میں حق ہے جس کی ادائیگی ان پر واجب ہے۔

یہ سورہ مکی ہے اور زکوٰۃ کے تفصیلی احکام مدنی دور میں دئے گئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ حق تفصیلات کے بغیر بھی ایک معروف حق تھا اور اس کا ادا کرنا اہل ایمان کا وصف ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

۲۰ اور زمین میں بڑی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے۔۲۱۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

۲۱ اور خود تمہارے اندر بھی۔کیا تم دیکھتے نہیں؟ ۲۲۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲ اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے ۲۳۔اور وہ چیز بھی جس کی وعید (تنبیہ) تم کو سنائی جارہی ہے۔۲۴۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳ تو آسمان وزمین کے رب کی قسم یہ بات حق ہے ۲۵۔ایسی ہی یقینی جیسے تم بول رہے ہو۔۲۶۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾

۲۴ کیا تمہیں ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے ۲۷۔؟

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٢٥﴾

۲۵ جب وہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے کہا سلام۔اس نے کہا آپ لوگوں پر بھی سلام ہو ۔۔۔ اجنبی لوگ ہیں۔

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾

۲۶ پھر وہ چپکے سے گھر والوں کے پاس گیا اور ایک فربہ بچھڑا (کا بُھنا ہوا گوشت) لایا۔۲۸۔

فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾

۲۷ اور اس کو ان کے سامنے پیش کیا۔اور کہا کھاتے نہیں!

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

۲۸ (اور یہ دیکھ کر کہ وہ کھاتے نہیں) اس نے اندیشہ محسوس کیا ۲۹۔انہوں نے کہا ڈریئے نہیں۔اور اسے ایک ذی علم فرزند کی خوشخبری دی۔۳۰۔

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾

۲۹ یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی ۳۱۔اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا بانجھ۔۳۲۔

قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

۳۰ انہوں نے کہا ایسا ہی فرمایا ہے تیرے رب نے ۳۳۔وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾

۳۱ ابراہیم نے پوچھا اے فرستادو! تمہارے سامنے کیا مہم ہے۔

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

۳۲ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔۳۴۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾

۳۳ تاکہ ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائیں۔۳۵۔

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾

۳۴ جو آپ کے رب کے پاس حد سے گزر جانے والوں کے لئے نشان زد ہیں۔۳۶۔

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾

۳۵ پھر ہم نے مؤمنوں کو وہاں سے نکال دیا۔۳۷۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾

۳۶ اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔۳۸۔

۲۱ ۔ زمین میں اللہ کی قدرت، اس کی ربوبیت اور اس کے علم وحکمت کی نشانیاں بالکل نمایاں ہیں، اور اللہ کی ان صفات پر غور کرنے سے اس کے بارے میں جو تصور قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خیر وشر میں تمیز کرنے والا، عدل کرنے والا ہے اور اس نے اپنی مخلوق کو ایک غایت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس سے اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انسان اللہ کے حضور جوابدہ ہے اور اپنے عمل کے مطابق اسے جزا یا سزا پانا ہے۔

موجودہ دور میں جیالوجی (Geology) نے زمین کی ساخت، اس کی تہوں، اس کے پرت، اس کے اندر کے لاوے، اس میں پائی جانے والی معدنیات، اس کی کشش اور اس کی گردش وغیرہ کے بارے میں عقل کو حیرت میں ڈالنے والے اکتشافات کئے ہیں۔ یہ سارا اہتمام اس لئے ہے کہ انسان زمین پر آباد ہو۔ تو کیا جس کو زمین پر آباد کرنے کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے اس کی زندگی بے مقصد ہو سکتی ہے؟ اور کیا وہ ہستی جس نے انسان کو زمین پر بسانے کے لئے یہ سارا اہتمام کیا ہے اور شعور اور عقل وتمیز رکھنے والی مخلوق بنایا ہے اسے وہ یونہی چھوڑ دے گا، اور اس کے اچھے اور بُرے عمل میں کوئی تمیز نہ کرے گا؟ ان خطوط پر جو شخص بھی قرآن کی روشنی میں غور کرے گا اسے اللہ کی ربوبیت کا اور پھر اس کی طرف سے ملنے والی جزا وسزا کا یقین لازماً پیدا ہو گا۔

زمین پر زلزلوں کے جھٹکے سونے والوں کو جگا دیتے ہیں اور ان میں خوف ودہشت پیدا کر کے اس بات کی وارننگ (Warning) دیتے ہیں کہ اس کائنات کا رب عذاب کا کوڑا برسا سکتا ہے اس کی طرف سے بے پروانہ ہو جاؤ بلکہ اس سے ڈرتے رہو۔ ایسی کھلی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا کہ خدا کو جزا وسزا سے کوئی سروکار نہیں اور انسان اس سے بے تعلق ہو کر اپنی من مانی کرنے کے لئے آزاد ہے کس قدر غلط، غیر منصفانہ، نامعقول اور غیر حقیقت پسندانہ بات ہے!

۲۲ ۔ انسان کی فطرت بھلائی اور برائی میں تمیز کرتی ہے اس کا نفس برائی پر ملامت کرتا ہے اور بھلائی پر اسے سکون بخشتا ہے۔ گویا ایک طرح کی عدالت انسان کے اپنے نفس ہی میں موجود ہے اس طرح اس کا وجدان پکار پکار کر کہتا ہے کہ اپنے رب سے ڈرو۔ کیا یہ اس بات کی واضح علامت نہیں ہے کہ نافرمانوں پر اللہ کے عذاب کا کوڑا برس سکتا ہے اور کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ان کے رویہ کے مطابق معاملہ کرے گا؟

۲۳ ۔ یعنی بارش جس سے پینے کے لئے پانی بھی مہیا ہو جاتا ہے اور کھانے کیلئے غلے، پھل اور نباتات بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔

۲۴ ۔ یعنی عذاب جو بجلی، کڑک، طوفان، وغیرہ کی شکل میں تم پر نازل ہو سکتا ہے۔ آسمان میں باران رحمت بھی ہے اور عذاب کا کوڑا بھی جس سے اللہ کی دونوں صفتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی وہ رحیم بھی ہے اور سخت سزا دینے والا بھی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جب وہ اپنے نیک بندوں پر اپنی رحمت نچھاور کرے اور سرکشوں کو سخت سزا دے۔

۲۵ ۔ یہاں قسم بات کو پورے وثوق اور تاکید کے ساتھ پیش کرنے کے لئے کھائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین کی یہ علامتیں جو اوپر پیش کی گئیں رب حقیقی کا یقین پیدا کرتی ہیں اور ساتھ ہی اس بات کا یقین بھی کہ جزا وسزا کا معاملہ بالکل برحق ہے۔

۲۶ ۔ انسان جب بولتا ہے تو اسے پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ یہ میرا نفس ہی ہے جو بول رہا ہے اور اسے اس میں کوئی شبہ لاحق نہیں ہوتا، ٹھیک اسی طرح جزا وسزا کا معاملہ شبہ سے بالاتر اور بالکل یقینی ہے۔

۲۷ ۔ یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں تفصیل سے بیان ہوا ہے وہاں تشریح طلب باتوں کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ سورۂ ہود نوٹ ۹۶ ۔ تا ۱۰۴ ۔ اور سورۂ حجر نوٹ ۴۹ ۔ تا ۵۵ ۔ ۔

یہ معزز مہمان فرشتے تھے جو انسان کی شکل میں آئے تھے اور جن کے چہرے بشرے سے وقار ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ وہ انہیں بڑھاپے میں ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دیدیں جو صاحب علم ہوگا اور جسے نبوت عطا کی جائے گی اور جس سے ایک ایسی نسل وجود میں آئے گی جس کو دنیا والوں پر فضیلت حاصل ہوگی اور جس کے کارہائے نمایاں تاریخ کے اوراق پر ثبت ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا جو اس نے دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو ان کی نیکی کی بدولت نوازتا ہے۔ اسی طرح آگے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نازل ہونے کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کفر و سرکشی کرنے والوں کو اس دنیا میں بھی سخت سزائیں دیتا ہے۔ اور جب دنیا میں رحمت اور عذاب دونوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے تو پھر عمل کو بے نتیجہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اور قیامت کے دن کی جزا و سزا سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ مختصر یہ کہ جزا وسزا کا یقین پیدا کرنے کے لئے یہاں دونوں واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

۲۸۔ اس سے ضمناً مہمان نوازی کے آداب بھی واضح ہوئے۔ ضیافت کا سامان اس طرح کیا جائے کہ مہمان کو اس کی خبر نہ ہونے پائے اور خاطر تواضع میں تنگی نہ برتی جائے بلکہ وسعت اخلاق کا ثبوت دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فربہ بچھڑے کو بھون کر لانا اور مہمانوں کے سامنے وافر غذا پیش کرنا ان کی کریم النفسی اور فیاضی پر دلالت کرتا ہے۔

۲۹۔ ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں اور فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا کسی اہم مقصد کے لئے ہی ہو سکتا ہے اس لئے انہیں خوف محسوس ہوا کہ معلوم نہیں معاملہ کیا ہے۔

۳۰۔ یہ حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری تھی۔

۳۱۔ یعنی حضرت سارہ۔

۳۲۔ یعنی حیرت سے۔ یہ حضرت سارہ کا نسوانی انداز تھا۔

۳۳۔ یعنی باوجود بڑھیا بانجھ ہونے کے لڑکا پیدا ہوگا۔

۳۴۔ یعنی قوم لوط کی طرف۔

تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود نوٹ ۱۰۵۔ تا ۱۲۱۔ اور سورۂ حجر نوٹ ۵۶۔ تا ۷۴۔۔

۳۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود نوٹ ۱۱۹۔۔

۳۶۔ یعنی یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہے کہ کونسا پتھر کس کو لگے گا اور اس کی ہلاکت کا باعث بنے گا۔

۳۷۔ یعنی عذاب آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس بستی سے صحیح سلامت نکال لیا۔

۳۸۔ یعنی اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر تھا اور وہ تھا حضرت لوط کا۔ ان کے خاندان کے افراد کے سوا کسی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوتی و اصلاحی جدوجہد کا یہ نتیجہ کہ صرف ان کا اپنا گھر ہی مسلمانوں کا گھر بن سکا۔ دعوت و اصلاح کا کام کرنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ باوجود اس کے کہ دعوت و اصلاح کا کام کتنے ہی بہترین طریقہ پر انجام دیا گیا ہو اور اس کام کو انجام دینے والی اعلیٰ کردار کی حامل نبی کی شخصیت ہی کیوں نہ رہی ہو ضروری نہیں کہ لوگ دعوت قبول کر کے اپنی اصلاح کر لیں۔ بہت کم لوگوں کو قبولِ حق کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا نتائج کو اللہ پر چھوڑ کر اپنا فریضہ بحسن و خوبی ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم بڑی وسعت رکھنے
والے ہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا تو کیا خوب بچھانے والے
ہیں۔ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم یاد دہانی
حاصل کرو۔ تو اللہ کی طرف دوڑو۔ میں اس کی طرف سے تمہارے
لئے کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ (القرآن)

وَتَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

۳۷ اور ہم نے وہاں ایک نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے، جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں۔ ۳۹؎

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

۳۸ اور موسیٰ کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ۴۰؎ جب ہم نے اسے فرعون کے پاس صریح قاہرانہ حجت کے ساتھ بھیجا۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

۳۹ تو اس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں منہ موڑا اور کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾

۴۰ بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور ان کو سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ اپنے کو ملامت کر رہا تھا۔ ۴۱؎

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾

۴۱ اور عاد کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ۴۲؎ جب کہ ہم نے ان پر خشک ہوا بھیج دی۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

۴۲ وہ جس چیز پر سے بھی گزری اسے بوسیدہ کر کے رکھ دیا۔ ۴۳؎

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾

۴۳ اور ثمود کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ۴۴؎ جب کہ ان سے کہا گیا کہ ایک وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ ۴۵؎

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ مگر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی، تو ان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ۴۶؎

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵ پھر نہ وہ اٹھ سکے اور نہ اپنا بچاؤ کر سکے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶ اور نوح کی قوم کو بھی ہم نے ان سے پہلے پکڑا ۴۷؎۔ وہ بھی نافرمان لوگ تھے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم بڑی وسعت رکھنے والے ہیں۔ ۴۸؎

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ اور زمین کو ہم نے بچھایا تو کیا خوب بچھانے والے ہیں۔ ۴۹؎

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ ۵۰؎

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

۵۰ تو اللہ کی طرف دوڑو ۵۱؎۔ میں اس کی طرف سے تمہارے لئے کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ ۵۲؎

۳۹ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود نوٹ ۱۲۱ ۔

۴۰ ۔ اب مختصراً فرعون، عاد ثمود اور قوم نوح جیسی سرکش قوموں کے عبرتناک انجام کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ یہ واقعات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال سے بے خبر نہیں ہے سرکش قوموں پر اس کے عذاب کا کوڑا برابر برستا رہا ہے۔

۴۱ ۔ یعنی اس نے جو باغیانہ اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا تھا اس کا احساس اسے موت کے وقت ہوا۔ اس بناء پر وہ خود اپنے کو ملامت کرنے لگا۔ فرعون کے غرقاب ہونے کا واقعہ سورۂ یونس اور سورۂ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

۴۲ ۔ عاد کی ہلاکت کا واقعہ سورۂ احقاف میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

۴۳ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ احقاف نوٹ ۴۱ ۔ اور ۴۲ ۔

۴۴ ۔ ثمود کی ہلاکت کا واقعہ سورۂ ہود اور دوسری متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے۔

۴۵ ۔ یعنی دنیا کا فائدہ تھوڑے دن کے لئے ہے لہٰذا اسے مقصود نہ بناؤ اور آخرت پر اسے ترجیح نہ دو۔ آخرت کو مقصود بنا کر دنیا کا جتنا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اتنا ہی حاصل کرو۔

۴۶ ۔ یعنی ان کی نظروں کے سامنے ان کو کڑک نے آلیا اور وہ ششدر رہ گئے۔

تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۲۳ ۔

۴۷ ۔ نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ سورۂ ہود میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

۴۸ ۔ یہ سورہ کی اختتامی آیتیں ہیں جن میں تذکیر کے انداز میں توحید، آخرت اور رسالت کو مربوط شکل میں پیش کر دیا گیا ہے کیوں کہ اللہ کی صحیح معرفت سے جزا و سزا کا تقاضا ابھرتا ہے اور اس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے رسالت ضروری ہے۔

آسمان کو دیکھنے سے اللہ کی وسیع قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا جا سکتا ہے لیکن موجودہ دور میں سائنس نے طاقتور دوربینوں کی مدد سے جو اکتشافات کئے ہیں۔ وہ آسمانی دنیا کی وسعت کا حیرت انگیز تصور پیش کرتے ہیں۔ اربوں ستاروں کا وجود، کہکشاؤں کا نظام اور بڑی بڑی متعدد کہکشائیں، اتنی بلندی پر ستارے جن کی روشنی کئی نوری سال (Light years) میں زمین پر پہنچتی ہے اور ان سب معلومات کے بعد اس بات کا ماہرین فلکیات کی زبان سے اعتراف کہ اس کائنات کی انتہاء کا ہمیں علم نہیں اور یہ مسلسل پھیلتی (Expand) جارہی ہے اس آیت کی صداقت کی واضح دلیل ہے اور اس سے اللہ کی بے پناہ قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

پھر جو خدا اتنی وسیع قدرت رکھتا ہو وہ ایک ایسا عالم کیوں نہیں برپا کرسکتا جس میں تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دیا جائے۔

۴۹ ۔ زمین کو اللہ نے اس طرح بچھا دیا ہے کہ ان پر اربوں انسان سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس کی سطح کو اس خوبی سے پھیلا دیا ہے کہ اس پر چلنا پھرنا نہایت آسان ہوگیا۔ جغرافیہ کے لحاظ سے دیکھیں تو زمین کا قطر تقریباً تیس ہزار میل اور اس کی سطح تقریباً پچاس کروڑ کلومیٹر ہے اس سے اس کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے مگر انسان کی تنگ نظری کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کی قدرت کو محدود سمجھ کر آخرت کا منکر بنتا ہے۔

۵۰ ۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورہ یٰس نوٹ ۳۹ ۔ ، ۴۰ ۔ ، ۴۱ ۔ ، ۴۲ ۔

دنیا میں جب ہر چیز کے جوڑے جوڑے ہے اور وہ اپنی تکمیل اپنے جوڑے سے مل کر کرتی ہے تو دنیا کا بھی جوڑ ہونا چاہئے اور قرآن بتلاتا ہے کہ اس کا جوڑ آخرت ہے اور آخرت سے مل کر ہی دنیا کی تکمیل ہوتی ہے ورنہ دنیا کا وجود نامکمل، بے مقصد اور عبث ہو کر رہ جاتا ہے۔

۵۱ ۔ یہ اور اس کے بعد کی دو آیتیں اللہ ہی کا کلام ہیں مگر ان کو اس اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ متکلم (بولنے والے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تا کہ یہ کلمات زبان رسالت سے ادا ہوں اور واضح ہو جائے کہ رسول کا مشن کیا ہے۔

یہاں مختصر الفاظ میں اللہ کی طرف دوڑنے اور لپکنے کی دعوت دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف نہ صرف بڑھو بلکہ تیزی کے ساتھ بڑھو کہ اس کو پالینا اپنے مالکِ حقیقی کو پالینا اور منزل مقصود تک پہنچ جانا ہے۔ اللہ کی طرف لپکنے میں اس کے ساتھ جذبات کی وابستگی کا اظہار بھی ہو رہا ہے اور اس میں امیدوں کی ایک دنیا بھی بسی ہوئی ہے۔

۵۲ ۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے تا کہ میں تمہیں قیامت کے دن سے خبردار کروں کہ اس دن کیا کچھ پیش آنے والا ہے تا کہ تم چونک جاؤ اور اپنا رویہ اللہ کے ساتھ درست کر لو۔

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا
ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (القرآن)

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱

۵۱ اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ میں اس کی طرف سے تمہارے لئے کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ ۵۳؎

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝۵۲

۵۲ اسی طرح ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے پاس جو رسول بھی آیا اس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ ۵۴؎

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۵۳

۵۳ کیا وہ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کر گئے ہیں؟ درحقیقت یہ سرکش لوگ ہیں۔ ۵۵؎

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝۵۴ۡ

۵۴ لہٰذا تم ان سے رخ پھیر لو۔ تم پر کوئی الزام نہیں۔ ۵۶؎

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۵

۵۵ اور نصیحت کرتے رہو کیوں کہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ ۵۷؎

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶

۵۶ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ۵۸؎

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝۵۷

۵۷ میں نہ ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ۵۹؎

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝۵۸

۵۸ یقیناً اللہ ہی رزاق، قوت والا زور آور ہے۔ ۶۰؎

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۵۹

۵۹ پس ان ظالموں کے لئے ویسا ہی پیمانہ ہے جیسا ان کے ہم مشروبوں کے لئے تھا۔ ۶۱؎ تو یہ جلدی نہ مچائیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝۶۰ ع

۶۰ ان کافروں کے لئے اس دن تباہی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ۶۲؎

۵۳۔ یعنی میں تمہیں شرک کے بُرے انجام سے کھلے بندوں خبر دار کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کے باوجود جولوگ بت پرستی اور شرک میں مبتلا رہیں گے وہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمیں اس کے بُرے انجام سے خبر دار نہیں کیا گیا تھا۔

۵۴۔ یعنی جس طرح اس رسول کو جادو گر یا دیوانہ کہا جا رہا ہے اسی طرح اس سے پہلے بھی رسولوں کو یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ پیغمبر کی باتیں چونکہ وحی کی بناء پر ہوتی ہیں اس لئے نہایت مؤثر اور دلوں میں نفوذ کرنے والی ہوتی ہیں جس کی توجیہ منکرین اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جادو منتر ہے جس سے وہ لوگوں کو مسحور کر رہا ہے۔ مگر وہ نہیں سوچتے کہ جادو گر کے بس میں کہاں کہ وہ دل میں اتر جانے والی حقیقتیں بیان کرے اور لوگوں کی زندگیوں کو سنوارے۔

اسی طرح منکرین پیغمبر کے اس دعوے کی کہ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ دیوانہ پن ہے مگر وہ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ کیا کوئی دیوانہ حکیمانہ باتیں بھی کر سکتا ہے اور انسانی زندگی کے لئے ایک نظامِ فکر وعمل بھی دے سکتا ہے؟

۵۵۔ یعنی قوموں کی طرف سے رسولوں کو جادو گر یا دیوانہ قرار دینے کا یہ تسلسل ایسا ہے کہ گویا ہر قوم اپنے بعد آنے والی قوم کو یہ وصیت کر گئی کہ جب تمہارے پاس کوئی رسول آئے تو اسے جادو گر یا دیوانہ قرار دو۔ اور حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب سرکش قومیں رہی ہیں اور اس رسول کے مخالف بھی سرکش ہیں۔ اور ان کی یہ سرکشی ہی ہے جو رسول کو رسول تسلیم کرنے پر انہیں آمادہ نہیں کرتی اور خلاف واقعہ باتیں کہنے پر انہیں اکساتی ہے۔

۵۶۔ یعنی اے پیغمبر! تم نے ان پر حجت قائم کر دی۔ اب اگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز آنا نہیں چاہتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنا فرض ادا کر چکے اب تم پر کوئی ملامت نہیں۔

۵۷۔ سرکش لوگوں سے ان پر حجت قائم ہو جانے کے بعد اعراض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تذکیر کا کام ختم کر دیا جائے۔ نہیں بلکہ تذکیر کا کام جاری رکھنا چاہئے کہ یہ ایمان لانے والوں کے حق میں مفید ہوتا ہے اور وہ نصیحت پذیر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان سرکشوں کو سمجھانے کی کوشش تو بے سود ہے البتہ عمومیت کے ساتھ یاد دہانی اور نصیحت کا کام جاری رکھنا چاہئے اور اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے خواہ حالات کیسے ہی نامساعد ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اس کے خوشگوار اثرات قبول کرنے والے ہوں۔ دعوت وتذکیر کا کام کرنے والوں کیلئے یہ ہدایت بڑی اہم ہے۔

۵۸۔ عبادت کی تشریح سورۂ کہف نوٹ ۱۲۵۔ میں کی جا چکی ہے۔ اس موقع پر اس نوٹ کو نیز سورۂ ہود نوٹ ۵۔ کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

قرآن نے عبادت کا لفظ پرستش کے معنی میں اس کثرت سے استعمال کیا ہے کہ اس کا ابھرا ہوا مفہوم پرستش ہی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ بت پرستی کے لئے قرآن میں عبادت کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ پرستش ہی کے معنی میں ہے، اور جہاں تک لغت کا تعلق ہے عربی کی مشہور اور مستند لغت میں اس کے معنی اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

و اصل العُبو دیۃ الخضو عُ وَ التَذلُّل وَ عَبَدَاللّٰہَ یَعْبُدُہٗ عِبَادَۃً۔۔۔۔۔۔۔تَأَلَّہَ لَہٗ۔

''عبودیت کی اصل خضوع اور تذلل ہے'' ''اس نے اللہ کی عبادت کی یعنی اس کو الٰہ (معبود) بنایا۔''

وَ التَّعَبُّدُ التَّنَسُّکُ۔قَالَ (الفراءُ) وَمَعْنَی الْعِبَادَۃِفِی اللُّغَۃِ الطَّاعَۃُ مَعَ النَّحضُوْ عِ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۲۔۲۷۳)

''تعبد یعنی مراسم عبودیت کی ادائیگی۔''

''فراء کہتے ہیں لغت میں عبادت کے معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کرنے کے ہیں۔''

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل لغت نے اگر عبادت کے معنی اطاعت بیان کئے ہیں تو اس کے ساتھ خضوع کی قید بھی لگائی ہے یعنی ایسی اطاعت جس میں دل کا خضوع اور اپنی سرافگندگی وبندگی کا اظہار ہو۔ ظاہر ہے یہ اطاعت اللہ ہی کیلئے خاص ہو سکتی ہے اور یہ پرستش کے لازمی مفہوم میں شامل ہے۔

مگر پرستش عبادت کا اولین مفہوم ہے اور اللہ سے تعلق کا یہ نقطۂ آغاز ہے اور اگر آغاز ہی درست نہ ہو تو کوئی بات بھی درست نہیں ہو سکتی۔ اس لئے دین میں پرستش کو اولین اہمیت دی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز و محور یہی رہا ہے کہ :

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ (ہود۔ ۵۰)

''اللہ کی پرستش کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

آیت زیر تفسیر میں جنوں اور انسانوں کا مقصدِ تخلیق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس سے درج ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک یہ کہ جب جنوں اور انسانوں کی تخلیق اللہ کی عبادت کے لئے ہوئی ہے تو نہ جنوں کو معبود بنانا صحیح ہے اور نہ انسانوں کو۔ وہ ہرگز مستحق عبادت نہیں ہیں اس لئے ان کی عبادت باطل ہے۔

دوسری یہ کہ اگر کوئی اللہ کی پرستش نہیں کرتا یا اس کے ساتھ غیر اللہ کو پرستش میں شریک کرتا ہے۔ خواہ وہ بت ہو یا فرشتہ یا فرضی خدا (دیوی دیوتا) یا بزرگ، وہ انسان اپنے مقصدِ تخلیق سے انحراف کرتا ہے اس لئے اس کا وجود عبث ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور جب لکڑی بیکار ہو جاتی ہے تو جلانے کے کام آتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے مقصد تخلیق کو نظر انداز کر کے اپنے وجود کو بے معنی بنا لیتے ہیں وہ اپنے کو جہنم کا مستحق بناتے ہیں۔

تیسری یہ کہ اللہ کی عبادت کرنا بندوں پر اللہ کا عائد کردہ فریضہ ہے لہٰذا اسے اپنی ڈیوٹی سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میرے پاس اللہ کی عبادت کے لئے وقت نہیں ہے یا نماز کے لئے فرصت نہیں ہے تو وہ سخت جہالت کا ثبوت دیتا ہے اسے نہ اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس ہے اور نہ عبادت سے لگاؤ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں کھانے اور کمانے کے لئے ہی پیدا ہوا ہوں اس لئے وہ انسان نہیں بلکہ معاشی حیوان بن کر رہ جاتا ہے اور جب انسان میں یہ گراوٹ آجاتی ہے تو فلاح کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔

چوتھی یہ کہ عبادت الٰہی جب مقصد تخلیق ہے تو اس کے ساتھ گہرا قلبی لگاؤ ضروری ہے۔ نماز، ذکر الٰہی، تسبیح، وتحمید، قرآن کی تلاوت اور اس میں تدبر اور دوسرے مراسم عبودیت کا اہتمام اور ان سے شغف تخلیق کے عین مقصد کو پورا کرنا ہے۔

پانچویں یہ کہ اللہ کا پرستار اس کی اطاعت کا منکر ہو نہیں سکتا کیوں کہ اللہ کی اطاعت سے انکار سرکشی ہے۔ ایک طرف اللہ کے آگے جھکنا اور دوسری طرف جھکنے سے انکار، دو متضاد باتیں ہیں جو پرستش کو بے معنی بناتی ہے۔ اوپر کی آیات میں سرکشوں کا ذکر جس طرح ہوا ہے اس پر ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ابلیس نے اللہ کی پرستش سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ اس کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا جس کی بناء پر وہ ملعون قرار پایا۔

۵۹۔ اللہ بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی بھی حاجت نہیں اور نہ اس کا مطالبہ اپنے بندوں سے یہ ہے کہ اس کیلئے سامان رزق کا انتظام کریں۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں کہ یہ اس کا حق بھی ہے اور عدل کا تقاضا بھی۔ پھر اس عبادت کا فائدہ بھی خدا کو پہنچنے والا نہیں بلکہ عبادت کرنے والے ہی کو پہنچے گا۔

۶۰۔ یہاں اللہ کی تین صفات کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ وہ رازق ہے یعنی رزق طلب نہیں کرتا بلکہ رزق دیتا ہے اور رازق بھی ایسا کہ بے شمار انسانوں اور حیوانوں کو زمانۂ دراز سے مسلسل رزق دئے چلا جا رہا ہے اور اس سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ پھر اس کو چھوڑ کر انسان کسی اور کو رازق اور اَن دَاتا کیسے سمجھنے لگتا ہے!

دوسری صفت یہ کہ وہ قوت والا ہے اس لئے اس کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ وہ بلا شرکت غیرے صرف اپنی قدرت سے کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

تیسری صفت یہ کہ وہ زور آور (متین) ہے اسلئے کوئی نہیں جو اس پر اپنا زور چلا سکے۔ جن ہستیوں کو مشرکین نے معبود بنا لیا ہے وہ ہرگز اللہ پر اپنا زور

نہیں چلا سکتے ۔ اس کے آگے سب بے بس ہیں ۔

اللہ کی یہ معرفت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسی کو معبود مان کر اس کی مخلصانہ عبادت کی جائے ۔

۶۱ ۔ یہاں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مقصدِ تخلیق کو بھلا دیا اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرنے لگے ۔ مزید برآں رسول کے متنبہ کرنے کا بھی کوئی اثر انہوں نے قبول نہیں کیا ۔ ایسے ظالموں کا وہی حشر ہونا ہے جو ان سے پہلے گزری ہوئی ظالم قوموں کا ہوا ۔

۶۲ ۔ مراد قیامت کا دن ہے جب کفر کرنے والے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے ۔